بسم اللہ الرحمن الرحیم

یہ تیرے مومن بندے



اسلامی واقعات کا حسین مرقع

محمد اقبال قادری

شیخ اکیڈمی ۶ بل روڈ۔ لاہور

نام کتاب ـــــــــ یہ تیرے مومن بندے

مرتبہ ـــــــــ محمد اقبال قادری

طبع ـــــــــ اوّل (جون ۱۹۷۶ء)

تعداد ـــــــــ ایک ہزار

طابع ـــــــــ محمد طارق

کتابت ـــــــــ حبیب عادل لاہور احاطہ ملک ہیرا فلیمنگ روڈ

مطبع ـــــــــ دین محمدی پریس لاہور

قیمت ـــــــــ سات روپے پچاس پیسے

انتساب

خدا کے رسولؐ اور صحابہ و تابعین رسولؐ کے نام

ان غلامان رسولؐ کے نام جنہوں نے حق کی پاداش میں طوق و سلاسل۔ دار و رسن کی آزمائش اور اللہ کی راہ میں ہر مصیبت نقصان اور آزمائش کو ہنسی خوشی اور دل و جان سے برداشت کیا۔

نیز

تلواروں کی دھار پر رقص بسمل کرتے ہوئے اپنی جانیں تک قربان کر دیں۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

فقر و شاہی واردات مصطفےٰ است
ایں تجلّی ہائے ذات مصطفےٰ است
(اقبالؒ)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ وَالصَّلٰوۃُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ ط

دنیا والوں کے نام خدا کا آخری پیغام وادی غیر ذی زرع کے سالارِ انبیاؑ اور آخری پیغامبر جناب احمدِ مجتبٰے حضرتِ محمّدؐ مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت آج سے تقریباً چودہ سو سال پیشتر ریگ زار عرب میں سنایا گیا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ جہالت کے پردے ہر چار سُو پھیلے ہوئے تھے۔ ہر طرف فسق و فجور کا دَور دَورہ تھا۔ اور لوگوں کے شرک کا یہ عالم تھا۔ کہ اگر راستے میں چار پتھر مل جاتے۔ تو تین سے استنجا کر لیتے اور چوتھے پتھر کو معبود بنا لیتے۔ خود ساختہ معبُودوں کا زور تھا۔ لڑکیوں کو زندہ در گور کرنا۔ جوأ کھیلنا۔ شراب پینا۔ ہر ناجائز طریقہ سے خواہشاتِ نفسانی کی تکمیل کرنا۔ قتل و غارتگری کرنا۔ ڈاکے ڈالنا۔ غرض کہ ہر برائی اُن لوگوں کا محبوب مشغلہ تھا۔ ان حالات میں آنحضرت محمّد صلعم کا دُنیا میں ظہور اور خداوند قُدّوس کی خاص رحمت

تھی۔ اور منشائے ایزدی بھی یہی تھا۔ کہ اللہ تعالیٰ کا پیارا محبوب خود اس کے پیغام پر عمل پیرا ہو کر ان جاہل لوگوں کے لئے ایک عملی نمونہ پیش کرے۔ آنحضور صلعم کی سیرت پاک اس بات کی گواہ ہے کہ آنحضرت صلعم نے خداوند عالم کے پیغام پر خود عمل پیرا ہو کر عملی طور پر تمام مشکلات پریشانیاں اور مصیبتیں جھیل کر واقعی ایک حسین مرقع چھوڑا ہے۔ اور اس بات کی گواہی خود تاریخ عالم بھی دیتی ہے۔

علاوہ ازیں مبارک تھیں وہ ہستیاں جنہوں نے اس ہادیٔ برحق کی آواز پر لبیک کہا۔ اور خود ساختہ معبودوں کی پرستش نیز تمام برائیوں کی غلامی ترک کر کے صرف پروردگار واحد کی غلامی اختیار کی۔ اور حکومتِ الٰہی قائم کرنے کے لئے سر دھڑ جسم وجان اور مال کی بازی لگا دی۔ اور ہر معاملے میں خدا اور اس کے رسول صلعم کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔

اِن ہستیوں نے ہمیشہ اپنے پیشِ نظر صرف یہی مقصد رکھا۔ کہ اللہ اور اس کے رسولؐ کا دامن سفر و حضر۔ خلوت و جلوت۔ جنگل اور پہاڑ، صحرا اور دریا۔ جنگ اور امن غرضیکہ ہر موقع اور وقت پر تھامے رکھا۔ نیز انہوں نے اللہ اور اللہ کے رسولؐ کے احکام کی بجا آوری میں انہی تمام نفسانی خواہشات کو رد کر دیا اور خداوند حقیقی کے اُس انعام کو حاصل کر لیا جس کا اُس نے اپنے پیغام میں وعدہ کیا تھا۔

اس کے بعد زمانہ جوں جوں گذرتا گیا۔ مسلمان پیغام الٰہی کو بھلاتے چلے گئے۔ اور آج مسلمان قوم اس پیغام کو بھول کر پھر نفسانی خواہشات میں مبتلا ہو چکی ہے۔ اور ہر جگہ ذلیل و خوار ہو رہی ہے۔

اس لئے اس بات کی ضرورت تھی۔ کہ پھر قرون اولیٰ کے مسلمانوں کے عزم اور ہمت اور استقلال و تزکیہ نفس کو پھر اُجاگر کیا جاوے اسی لئے اس مقصد کو پیش نظر رکھتے ہوئے سیرۃ النبوی صلعم اور اور خلفائے راشدین و صالحین کے عہد پر مشتمل واقعات کو اس کتاب میں یکجا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ یہ تو صرف چند جھلکیاں پیش کی گئی ہیں۔ ورنہ ہماری تاریخ تو ایسے ہزارہا واقعات سے بھرپور ہے۔ جنہیں پڑھ کر رُوح تازہ ہو جاتی ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ سے دُعا ہے۔ کہ وہ میری اس ناچیز محنت کو قبول فرمائے۔ اور دوسری دُعا ہے کہ مسلمانوں کو سیدھی راہ دکھلائے۔

قارئین سے التجا ہے کہ میری کوتاہیوں اور غلطیوں سے مجھے مطلع فرماویں تاکہ اگلے ایڈیشن میں تصحیح ہو سکے۔

یہ شہادت گہِ اُلفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا



یکم مئی ۱۹۷۲ء

محمد اقبال قادری

مآخذ

۱۔ القرآن الحکیم۔
۲۔ الجا الصحیح ۔ امام بخاریؒ۔
۳۔ جامع الترمذیؒ۔
۴۔ موطاء امام مالکؒ۔
۵۔ آئینہ حقیقت نما۔ اکبر شاہ خان۔
۶۔ اتمام الوفاء ۔ محمد الحضری رح۔
۷۔ تاریخ الاسلام السیاسی ۔ ڈاکٹر حسن ابراہیم حسن۔
۸۔ تاریخ اسلام ۔ علامہ عزالدین ابن الاثیر جزری۔
۹۔ تاریخ اسلام ۔ اکبر شاہ خان۔
۱۰۔ تاریخ اسلام ۔ شاہ معین الدین ندوی۔
۱۱۔ تاریخ الامت۔ حافظ محمد اسلمؒ جے راجپوری۔
۱۲۔ تبلیغی نصاب۔ شیخ الحدیث مولانا ذکریا کاندھلوی۔
۱۳۔ خالد بن ولیدؓ۔ امیر احمد ایڈوکیٹ۔
۱۴۔ خلفائے محمدؐ ۔ عمر ابو النصر۔
۱۵۔ غلامانِ اسلام۔ سعید احمد اکبرابادی۔
۱۶۔ سیرۃ الصدیقؓ۔ نواب حبیب الرحمٰن شروانی

۱۷- مسئلہ خلافت - ابوالکلام آزاد-
۱۸- نہج البلاغہ -
۱۹- سیرت عمر و بن عبدالعزیز - عبدالسلام ندوی -
۲۰- فتوح البلدان - امام ابوالحسن رح البلاذری
۲۱- امام اعظم رح اور علم حدیث - مولانا محمد علی کاندھلوی -
۲۲- صحیح مسلم
۲۳- ریاض الصالحین در ریاحین العابدین ابوذکریا یحیٰ ابن شرف خزالی
۲۴- تاریخ الکامل - ابن اثیر-
۲۵- اسدالغابہ - ابن اثیر-
۲۶- السیرۃ النبیؐ کامل - ابن ہشام-
۲۷- فتوح الشام - واقدی-
۲۸- کتاب الاصابہ - ابن حجر عسقلانی-
۲۹- سیرت النبیؐ - شبلی رح
۳۰- سیرت کبریٰ - رفیق دلاوری-
۳۱- مہاجرین - شاہ معین الدین احمد ندوی-
۳۲- تابعین- " " "
۳۳- مشاہیر اسلام- نواب علی خان-
۳۴- شامی جہاد- خواجہ حسن نظامی دہلوی -



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

صدائے حق!

نبوت کے چوتھے سال آنحضرت محمد مصطفے صلی اللہ علیہ وسلم کو بارگاہ الٰہی سے ارشاد ہوا۔

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ

(اور تجھے جو حکم دیا گیا ہے کھول کر سُنا دے اور مشرکین کی مخالفت کی پرواہ نہ کر) سورہ حجر۔

اس حکم کے نازل ہونے پر حضور صلعم کوہ صفا پر تشریف لے گئے اور بآواز بلند آپؐ نے قریش کے تمام قبائل کو بلانا شروع کر دیا۔ سب لوگ کوہِ صفا کی طرف دوڑے۔ اور جب وہاں سب قبائل کے لوگ اکٹھے ہو گئے تب حضورؐ نے اُنھیں مخاطب کر کے فرمایا:

"اے جماعتِ قریش اگر میں تمہیں یہ خبر دوں کہ صبح یا شام کو اس پہاڑ (کوہ صفا) کے پیچھے سے دشمن کا لشکرِ عظیم تم پر

حملہ کرنے والا ہے تو کیا تم یقین کر لو گے"

سب لوگ بیک زبان بولے "ہاں" اے بھتیجے ہم تمہاری بات کو بالکل سچ اور صحیح مانیں گے۔ کیونکہ تم کو ہم نے ہمیشہ "امین و صدیق" پایا ہے اور تم کبھی جھوٹ نہیں بولتے۔

آنحضرتؐ نے فرمایا۔ "میں تم کو یہ خبر دیتا ہوں کہ سارے جہان کا خالق اور مالک اللہ ہے اور وہی ذات واحد پرستش (عبادت) کے لائق ہے۔ تم اصنامِ سنگ (بتوں) کی پرستش چھوڑ دو اور خدائے واحد کے سامنے جبین نیاز (ماتھا) جھکاؤ۔ یاد رکھو اگر تم نے باطل پرستی نہ چھوڑی تو اللہ کا عذاب نزدیک ہے۔ اے قریش میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسولؐ ہوں تمہیں حق کی طرف بلاتا ہوں۔ تاکہ تم نارِ جہنم (دوزخ کی آگ) کا ایندھن نہ بن جاؤ۔ موت تمہارے سر پہ کھڑی ہے اس وقت کو غنیمت جانو اور اپنی عاقبت کو سنوار لو"

چونکہ اہلِ قریش کے دل کفر اور شرک کی نجاست (گندگی) سے آلودہ (بھرے ہوئے) تھے۔ اس لئے وہ سخت برہم ہوئے اور آپؐ کو برا بھلا کہتے ہوئے اور بڑبڑاتے ہوئے وہاں سے چلے گئے۔ اور ان پر حق کی آواز کا کوئی اثر نہ ہوا۔



بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ؕ

حق کا سودا

سردارانِ قریش اسلام کی روز افزوں ترقی سے سخت نالاں تھے۔ اُنہوں نے اسلام کی اشاعت روکنے کے لئے ہر ممکن اقدام کیا تھا، لیکن اُنہیں کوئی خاص کامیابی نظر نہ آئی تو اُنہوں نے سختی کی بجائے نرمی سے کام لینے کا فیصلہ کیا اور اپنے دانشور سردار عتبہ کو آنحضرتؐ سے گفتگو کے لئے بھیجا۔ عتبہ نے جا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: "میرے بھتیجے محمدؐ! اگر تم اس کارروائی سے مال و دولت جمع کرنا چاہتے ہو تو ہم خود ہی تیرے پاس اتنی دولت جمع کر دیتے ہیں کہ تو مالا مال ہو جائے۔ اگر تم عزت کے بھوکے ہو تو ہم تم کو بادشاہِ عرب بنا دیتے ہیں۔ جو چاہو سو کرنے کو تیار ہیں۔ مگر تم اپنا یہ طریق چھوڑ دو۔ اور اگر تمہارے دماغ میں کچھ خلل آگیا ہے تو بتا دو کہ ہم تمہارا

علاج کروائیں۔"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس قریشی سردار کی کم عقلی پر مسکرائے اور فرمایا: "جو کچھ تم نے میری بابت کہا وہ ذرا بھی صحیح نہیں ہے۔ مجھے مال، عزت، دولت، حکومت کچھ درکار نہیں اور نہ ہی میرے دماغ میں خلل ہے۔ میری بات سمجھنا چاہتے ہو تو قرآن سنو۔"

اور اس کے بعد سورہ حٰمٓ سجدہ کی پہلی چند آیات تلاوت فرمائیں۔ جن میں عقیدۂ توحید، رسالت اور آخرت پوری شرح وبسط کے ساتھ بیان کیا گیا ہے اور فصاحت و بلاغت میں بے نظیر و بے مثال ہیں۔

ترجمہ: (۱) "اے رسولؐ کہہ دو۔ کہ میں بھی تم جیسا آدمی ہوں۔ مجھ پر وحی آتی ہے کہ تمہارا پروردگار بس ایک خدا ہے۔ پس سیدھے اس کی طرف ہو جاؤ اور اس سے گناہ بخشواؤ۔"

(۲) اور جب حضورؐ نے اس آیت کو پڑھا۔ "پھر اگر وہ منہ پھیر لیں تو کہہ دو۔ کہ میں نے خبر سنا دی تم کو ایک کڑاکے کی۔ جیسا کڑاکا آیا عاد اور ثمود پر۔۔۔۔۔۔"

عتبہ ان آیات کو گردن جھکائے چپکے سے سنتا رہا۔ جب دہشت سے عتبہ کے جسم پر کپکپی طاری ہو گئی۔ اس نے سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے لبہائے مبارک پر ہاتھ رکھ دیا۔ اور چلایا

بس۔ محمدؐ بس۔ آگے کچھ نہ کہنا۔

حضورؐ صلعم رب ذوالجلال والاکرام کے آگے سجدہ ریز ہو گئے اور پھر سجدہ سے سر مبارک اٹھا کر فرمایا: "تم نے جو باتیں کیں اور جو کچھ مجھے لالچ دیا ہے۔ اس کے لئے میرا جواب بس یہی ہے" یہ سن کر عتبہ چپ چاپ اٹھ کر واپس چلا گیا۔

قریش کے سردار اس کے مشن کا نتیجہ معلوم کرنے کے لئے بیقرار بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے جاتے ہی سوالات کی بوچھاڑ شروع کر دی۔ عتبہ نے صرف اتنا کہا۔ "اے گروہِ قریش! میں ایسا کلام سن کر آیا ہوں، جو نہ کہانت ہے نہ شعر نہ جادو ہے تو اگر تم میری بات مانو تو محمدؐ کو اپنے حال پر چھوڑ دو اگر محمدؐ غالب آیا تو وہ تمہارا بھائی ہے، اور نتیجہ اس کے برعکس ہوا تو جان چھوٹی" اس پر قبائل کے سردار بہت برہم ہوئے اور کہا کہ عتبہ پر بھی محمدؐ کی زبان کا جادو چل گیا ہے۔



حق کا راستہ

جب تبلیغ دین سے اسلام تیزی سے پھیلنے لگا تو سرداران قریش کو سخت تشویش لاحق ہوئی۔ انہوں نے باہم مشاورت سے ایک وفد مرتب کیا، جو ابوجہل، شیبہ، عتبہ، ولید اور ابوالبختری پر مشتمل تھا۔ یہ وفد آنحضرتؐ کے مہربان چچا ابوطالب کے پاس پہنچا اور غصے بھرے لہجے میں کہنے لگا۔

"اے ابوطالب! ہم سب تمہاری بزرگی کے معترف ہیں۔ ہم نے تم سے بارہا شکایت کی ہے کہ تمہارا بھتیجا محمدؐ جس کی تم کفالت (پرورش) کرتے ہو ہمارے معبودوں (خداؤں) کی مخالفت کرتا ہے۔ اور اپنے فرضی خدا کی طرف بلاتا ہے۔ لیکن افسوس کہ ہماری شکایات کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ اور تم نے اسے اپنے اس شغل سے نہیں روکا۔ ہم اسے بادشاہی، مال و دولت ہر چیز کی پیشکش کر چکے ہیں۔ لیکن اس نے کچھ قبول نہیں کیا وہ اپنی ضد پر قائم ہے۔ اور روز بروز اس کی سرگرمیاں تیز ہوتی جا رہی ہیں۔

ہمارے صبر و ضبط کا پیمانہ اب لبریز ہو چکا ہے۔ ہم اپنے معبودوں کی مزید توہین برداشت نہیں کر سکتے۔ یا تو اپنے گمراہ بھتیجے کو اپنے نئے دین کی تعلیم سے روکو یا اس کی سرپرستی سے ہاتھ اٹھا لو۔ ہم اُس سے نپٹ لیں گے۔ اگر تمھیں یہ منظور نہیں تو پھر تم بھی ہمارے مقابلے کے لئے تیار ہو جاؤ"

حضرت ابُوطالب نے نبی کریم صلعم کو بُلا بھیجا۔ جب وہ تشریف لائے تو ان سے مخاطب ہو کر فرمایا: "اے میرے فرزند یہ تمہاری قوم کے سردار ہیں۔ یہ چاہتے ہیں کہ تم اُن کے معبودوں کی مخالفت نہ کرو۔ اس کے عوض وہ تمہاری ہر خواہش پوری کرنے کو تیار ہیں"۔

آنحضرت صلعم نے جواب دیا "چچا جان! میں تو ان لوگوں کی بھلائی چاہتا ہوں۔ اور اسی لئے انہیں خدائے واحد کی طرف بُلاتا ہوں۔ بس یہ اللہ پر ایمان لے آئیں اور مجھے کسی چیز کی خواہش نہیں"۔

حضرت ابوطالب نے پھر فرمایا: "اے میرے بچے اپنی جان کو ہلاکت اور مصیبت میں نہ ڈالو۔ میں بوڑھا اور ناتوان ہوں۔ مجھ پر اتنا بوجھ نہ ڈالو۔ جو میں اٹھا نہ سکوں۔ مناسب یہی ہے کہ تم اپنے دین کی تبلیغ و اشاعت کو چھوڑ دو"۔

اپنے چچا ابوطالب کی یہ تقریر سُن کر آنحضرتؐ نے یہ خیال فرمایا کہ قریش کے دباؤ سے مجبور ہو کر شاید وہ میری حمایت اور سرپرستی سے

دست کش ہونا چاہتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا: "اے عمِ محترم! میں اپنے اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں۔ کہ اگر یہ لوگ میرے داہنے ہاتھ پر سورج اور بائیں ہاتھ پر چاند بھی لا کر رکھ دیں تو بھی میں تبلیغ حق سے باز نہیں آؤں گا۔ خواہ اس معاملے میں میری جان ہی کیوں نہ چلی جائے۔ میں اس راستہ کو نہیں چھوڑ سکتا"

حضورؐ نے یہ جواب اس جوش سے دیا کہ شفیق چچا پر رقت طاری ہو گئی اور انہوں نے کہا۔

"اے میرے بھائی کے فرزند! میرے بھتیجے جاؤ اور جو بات تم کو پسند ہے بے دھڑک کہو۔ خدا کی قسم! میں تمہیں دشمنوں کے حوالے ہرگز نہ کروں گا"

اس طرح قریش کا یہ وفد ناکام اور مایوس ہو کر واپس چلا گیا۔



تبلیغِ دین

طائف کا حسین و جمیل شہر مکّے سے ساٹھ میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ وسیع و عریض ریگستان میں یہ سرسبز شہر اپنے سایہ دار درختوں اور پھلوں کے باغات کی وجہ سے جنّت کا منظر پیش کرتا ہے۔ لیکن زرخیز و شاداب قطعہ زمین شجرِ حق کی کاشت کے لئے نہایت بنجر و سنگلاخ ثابت ہؤا۔ رسُول صلّی اللہ علیہ وسلم کو جب مکّے کی زمین تخمِ حق کو قبول کرنے کی صلاحیّت سے عاری نظر آئی تو اُنہوں نے طائف کے باشندوں کو اُن کے اس خدا کا پیغام جس نے اُنھیں تمام نعمتوں سے مالا مال کیا تھا پہنچانے کا فیصلہ کر لیا۔

آنحضرت صلعم نے ساٹھ میل کی یہ طویل مسافت پیدل طے کی۔ صرف زیدؓ بن حارث ساتھ تھے، جو آنحضرت صلعم کے غلام ہؤا کرتے تھے، لیکن غلامی سے آزاد ہو کر بھی اسیرِ دامِ محبّت ہو گئے تھے۔ طائف پہنچ کر آنحضرت صلعم نے سب سے پہلے یہاں کے سرداروں۔ عبدیالیل، مسعود اور حبیب ——— کے

سامنے دعوتِ حق پیش کرنے کا فیصلہ کیا۔ یہ تینوں بھائی طائف کے سردار تھے اور اس حد تک مغرور تھے کہ کسی عام آدمی کو اُن کے محل کا رُخ کرنے کی بھی ہمت نہیں ہوتی تھی۔ خدا کی سب سے برگزیدہ ہستی انھی متکبر سرداروں کے سامنے نورِ ھدایت لیکر جارہی تھی، لیکن ان میں قبولِ حق کی صلاحیت مادہ پرستی کا شکار ہو چکی تھی۔ اُن میں سے ایک نے جواب دیا: "میں کعبہ کے سامنے داڑھی منڈوا دوں اگر اللہ نے تجھے رسُول بنایا ہو۔" دوسرا مضحکہ اڑانے کے انداز میں یوں گویا ہُوا: "کیا خدا کو تیرے سوا اور کوئی بھی رسُول بنانے کو نہ ملا جسے چڑھنے کی سواری بھی میسّر نہیں ......
اُسے رسول بنانا تھا تو کسی حاکم یا سردار کو بنایا ہوتا۔ تیسرا بولا: "میں بہرحال میں تجھ سے کوئی گفتگو کرنے کو تیار نہیں ہوں اگر تو سچا ہے تو تجھ سے گفتگو کرنا خلافِ ادب ہے اور اگر تو جھوٹا ہے تو تُو گفتگو کے لائق نہیں۔"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سردارانِ طائف کے اس غیر معقول رویّہ کی وجہ سے ان کے محل سے واپس لوٹ آئے اور عوام کو مخاطب کر کے اپنی دعوت کو پیش کرنا شروع کر دیا، لیکن سردارانِ طائف نے صرف مضحکہ پر ہی اکتفا نہ کی تھی بلکہ اُنھوں نے شہر کے لونڈوں اور اوباشوں کو حضورؐ کو تنگ کرنے پر مامور کر دیا۔ وہ بازار کے دونوں طرف کھڑے ہو گئے اور حضورؐ کے

وعظ کے مقابلے میں گالیاں بکنے اور تالیاں پیٹنے لگے۔ جب انھوں نے دیکھا کہ ان کی یہ بدتمیزی حضورؐ کی قوت ارادی پر غالب نہیں آسکتی تو انہوں نے آپ پر پتھر پھینکنا شروع کر دیئے۔ جسم مبارک ان پتھروں سے زخمی۔ اس قدر خون بہہ نکلا کہ جوتا مبارک اُتارنا مشکل ہوگیا۔ اور آپ زخموں سے چور ہو کر زمین پر گر پڑے۔ اس پر دو ستم ظریف آگے بڑھے اور انہوں نے آپ کو سہارا دے کہ کھڑا کر دیا۔ تھوڑی دیر کے لئے محسوس ہوتا تھا کہ شاید ان کے پتھر دل پسیج گئے ہیں، لیکن جونہی آپؐ کو ہوش آیا اور آپؐ دوبارہ چلنے لگے۔ پتھروں کی بارش دوبارہ شروع ہوگئی۔ اُن اوباشوں نے شہر سے تین میل باہر تک آنحضرت صلعم کا تعاقب کیا۔ یہاں تک کہ آپؐ نے عتبہ بن ربیعہ کے باغ میں پناہ لی۔ حضرت زیدؓ بن حارث ساتھ تھے، وہ خود بھی بُری طرح زخمی ہوئے تھے۔ پھر بھی اُنہوں نے وفاشعاری کا پورا حق ادا کیا تھا۔ جہاں حضورؐ بیہوش ہو جاتے تھے، وہ آپؐ کو کندھوں پر اٹھا لیتے تھے۔ باغ میں خدا کے دین کے یہ مظلوم علمبردار اسی شان سے پہنچے تھے کہ آنحضرت صلعم زخموں سے نڈھال تھے۔ زیدؓ نے آپؐ کے چہرہ مبارک پر پانی کے چھینٹے مار کہ آپؐ کو ہوش دلائی۔

رسول اللہ صلعم اور زیدؓ بن حارث اس باغ میں بیٹھے اُس دن کے بیتے ہوئے واقعات دُہرا رہے تھے۔ زیدؓ نے اہل طائف

کے ظلم و ستم کی شکایت کی اور عرض کیا: "یا رسول اللہ! اس ظالم قوم کی ہلاکت کی دُعا کیجیئے"

آپؐ نے جواب دیا: اگر یہ لوگ ایمان نہیں لاتے تو کیا ہوا! امید ہے کہ ان کی آئندہ نسلیں ضرور خدائے واحد پر ایمان لانے والی ہوں گی"۔ اور حضرت زید رحمتِ دو عالم کی بات سن کر چُپ ہو رہے۔

عتبہ بن ربیعہ جو اس باغ کا مالک تھا، روسائے مکّہ میں سے تھا۔ آنحضرت صلعم کو زخمی دیکھ کر اسے رحم آیا اور اس نے عرب کی روائتی شرافت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے غلام عداس کو انگوروں کا ایک نہایت عمدہ خوشہ پلیٹ میں رکھ کر دیا اور کہا کہ اس شخص کو دے آؤ۔ غلام نے انگور حضورؐ کے سامنے پیش کئے اور آپؐ نے بسم اللہ کہکر کھانے شروع کر دیئے۔

عداس غلام نے حیران ہو کر سوال کیا "یہ ایسا کلام ہے کہ یہاں کے باشندے نہیں بولا کرتے"۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے متوجہ پاکر دین کی دعوت پیش کرنے کے لیئے تمہید باندھی: "تم کہاں کے رہنے والے ہو اور تمہارا مذہب کیا ہے؟"

"میں عیسائی ہوں اور نینوی کا باشندہ"۔ عداس نے جواب دیا۔

"کیا تم مرد صالح یونسؑ بن متی کے شہر کے رہنے والے

ہو؟" حضور نے فرمایا۔

"آپ کو یونس بن متی کے متعلق کیسے معلوم ہوگیا؟" عداس نے حیرت سے سوال کیا۔ کیونکہ اہلِ عرب حضرت یونسؑ کے نام تک سے واقف نہ تھے اور یہ بات اس کے لئے بہت عجیب تھی کہ ایک عرب حضرت یونسؑ کے متعلق اُسے کچھ بتا رہا تھا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا: "وہ میرا بھائی ہے، وہ بھی نبی تھا اور میں بھی نبی ہوں۔"

عداس یہ سنتے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاؤں پر گر پڑا آپؐ کے ہاتھ پاؤں اور سر چومنے لگا۔ عتبہ دُور سے یہ تماشہ دیکھ رہا تھا۔ اس نے عداس کو بلایا اور کہا: "کمبخت! تجھے کیا ہوگیا تھا کہ اس شخص کے ہاتھ چومنے لگا۔"

عداس نے جواب دیا: "حضور عالی! آج اس شخص سے بہتر روئے زمین پر کوئی نہیں۔ اس نے مجھے ایسی بات بتائی جو صرف نبی بتا سکتا تھا۔"

لیکن عتبہ نے صرف ڈانٹ دیا: "خبردار! اس کا دین قبول نہ کرنا۔ تمہارا دین اس سے بدرجہا بہتر ہے۔" اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم خوش تھے کہ کم از کم اس سفر سے ایک انسان کو راہِ ہدایت مل گئی تھی۔



حق کا کمسن حمایتی

جب حضورؐ پر یہ حکم نازل ہوا۔ وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ (سورۃ الشعراء) اور اپنے قریبی رشتہ داروں کو خدا سے ڈراؤ۔ اس حکم کے نازل ہونے پر آنحضورؐ نے بنی ہاشم کو کھانے کی دعوت دی جب سب بنی ہاشم جمع ہو گئے۔ تو حضورؐ تقریر کے لئے کھڑے ہوئے۔ لیکن آپؐ کے چچا ابولہب نے بیہودہ گوئی (بکواس) شروع کر دی۔ لیکن بعد میں آپؐ نے فرمایا: "اے میرے بزرگو۔ عزیزو! میں جو چیز تمہارے پاس لایا ہوں۔ عرب میں کوئی شخص اس سے بہتر چیز اپنے قبیلے کے لئے نہیں لایا۔ میں تمہیں دعوت دیتا ہوں کہ بُت پرستی چھوڑ دو۔ اور خدائے واحد پر ایمان لاؤ کہ تمہارا بھلا اسی میں ہے۔ بولو تم میں کون میرا ساتھ دیتا ہے۔

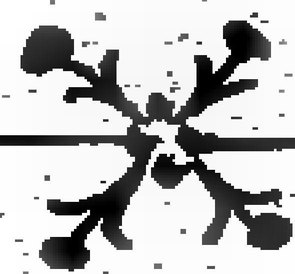
یہ سُن کر بارہ سالہ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ فوراً اُٹھے اور عرض کی "یا رسولؐ اللہ گو میں سب سے کم عمر ہوں۔ لیکن ہر حال میں آپؐ کا ساتھ دونگا۔" دوسرے لوگ تمسخر اڑانے لگے اور پھبتیاں کستے ہوئے منتشر ہو گئے۔

حالات شاہد ہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ نے ساری زندگی آنحضرت صلعم کا ساتھ نہیں چھوڑا۔



دینِ حق کا پہلا شہید

ایک دن رسولِ کریم صلعم نے خانہ کعبہ میں قریش کو دعوتِ توحید دی۔ مشرکین مکّہ غضبناک ہو کر آنحضورؐ پر ٹوٹ پڑے۔ رسُول کریمؐ کے حضرت حارث بن ابی ہالہؓ (حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے فرزند جو ان کے پہلے شوہر ابُو ہالہ کے صُلب سے تھے) اس وقت گھر میں تھے۔ کسی نے اُن کو خبر دی۔ کہ دشمنانِ دین حضرت محمدؐ کو مارے ڈالتے ہیں۔ اور قریب ہے کہ آنحضورؐ شہید کر دیے جاویں یہ سُن کر حارث رضؓ بیتاب ہو کر اُٹھ دوڑے اور کُفّار کے نرغہ سے حضورؐ کو باہر نکال لیا لیکن خود دشمنوں کے نرغہ میں پھنس گئے۔ دشمنانِ دین نے انہیں پکڑ لیا اور تلواریں مار مار کر شہید کر ڈالا۔ حارث رضؓ دینِ حق کے سب سے پہلے شہید ہیں۔



ایک انقلابی خاتون

اسلام کے ابتدائی دور میں کفارِ مکہ نے طے کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کر دیا جائے تاکہ یہ روز کا اختلاف ختم ہو۔ عمرؓ بن خطاب نے جو ابھی رضی اللہ عنہ نہیں بنے تھے، اس مہم کا بیڑا اٹھایا اور ننگی تلوار ہاتھ میں لیے اس مہم پر روانہ ہوئے۔ راستے میں عبداللہ بن نعیمؓ سے معلوم ہوا کہ خود اُن کا بہنوئی سعیدؓ اور بہن فاطمہؓ اسلام لا چکے ہیں۔ غصّے سے پیچ و تاب کھایا اور پہلے اس قصّے کو سمیٹنے کے لیے بہن کے گھر کو چل پڑے۔ وہاں قرآن کی تعلیم ہو رہی تھی۔ اس پر عمر کے غصّے کا پارا اور چڑھ گیا۔ دروازہ کھلوایا اور آؤ دیکھا نہ تاؤ بہنوئی کو مار مار کر لہو لہان کر دیا۔ خاوند کا یہ حال دیکھ کر فاطمہؓ آڑے آئیں۔ اور کہنے لگیں "اے عمر! اے میرے بھائی!! جو کرنا ہو کر لو ہم تو اسلام لا چکے اور اب کبھی کفر کی طرف واپس نہ آئیں گے" تو جو کر سکتا ہے۔ کر لے۔ اسلام کا نقشِ ہدایت ہمارے سینے سے کبھی نہیں مٹ سکتا۔

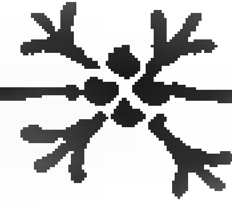
اِن کے یہ سیدھے سادے کلمات کا عُمر کے دل پر کچھ ایسا اثر ہوا کہ پسینہ چھوٹ گیا۔ اور یہی چند الفاظ اُن کی زندگی میں — نہیں بلکہ دنیا کی تاریخ میں — ایک عظیم انقلاب کا باعث بن گئے۔

عُمر بولے۔ اچھا تو جو کچھ تم پڑھ رہے تھے۔ مجھے بھی دکھاؤ۔ حضرت فاطمہؓ نے جواب دیا۔ "ہم خدا کا پاک کلام پڑھ رہے تھے جب تک تم غسل کر کے بدن پاک نہ کرو۔ اس کلامِ پاک کو نہیں چھو سکتے۔"

حضرت عمرؓ نے اسی وقت غسل کیا۔ حضرت فاطمہؓ نے قرآن پاک کے اجزا لا کر سامنے رکھ دیئے۔ اس وقت سورہ طٰہٰ ان کے سامنے آئی۔ اُسے ہی پڑھنا شروع کیا۔ ابھی بسم اللہ ہی پڑھی تھی کہ جسم پر لرزہ طاری ہو گیا۔ دِل سے کفرِ ظلمت کی سیاہی چھٹنے لگی۔ جوں جوں تلاوت کرتے جاتے تھے قرآن کریم کی شوکتِ الفاظ ندرتِ بیان اور فصاحتِ زبان انہیں مسحور کرتی جاتی تھی۔ جب اس آیت پر پہونچے "میں ہی اللہ ہوں۔ میرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں تو میری ہی عبادت کیا کرو اور میری یاد کے لئے نماز پڑھا کرو۔"

تو اُن پر رقت طاری ہو گئی اور بے اختیار پکار اُٹھے۔ اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔

اب عمرؓ پہلا عمر نہیں تھا۔ اب اُس کا دل بدل چکا تھا۔ ارادہ متزلزل ہو چکا تھا۔ اور تھوڑی دیر پہلے جو شخص حضورؐ کو معاذاللہ قتل کرنے جا رہا تھا۔ اب وہ قبول اسلام کے ارادے سے کاشانۂ نبوت کا رُخ کرتا ہوا دکھائی دیا۔



کعبہ میں پہلی اذان

سنہ ۶ نبوی میں جب حضرت عمرؓ مشرف باسلام ہو گئے۔ تو انہوں نے دیکھا کہ مسلمان چھپ کر عبادت الٰہی میں مصروف رہتے ہیں۔ آپؓ نے حضور صلعم سے التماس کی کہ کفار تو علانیہ خانہ کعبہ میں بت پرستی کریں اور مسلمان چھپ کر عبادت الٰہی کریں۔ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔ آپؓ ننگی تلوار ہاتھ میں لئے چل پڑے اور بآواز بلند پکارنا شروع کر دیا۔ کہ میں نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ اور آج سے مسلمان خانہ کعبہ میں علی الاعلان نماز ادا کریں گے۔ کون ماں کا لال ہے جس کو اپنی جان پیاری نہیں ہے۔ ہمیں آکر روکے اس طرح سرداران قریش کے ساتھ جھگڑتے لڑتے ہوئے آپؓ خانہ کعبہ میں پہنچ گئے۔ اور وہاں حضرت عمرؓ نے بآواز بلند آذان دی۔ اس طرح مسلمانوں نے کھلم کھلا پہلی بار نماز ادا کی۔



راہِ خُدا کی پہلی شہید

جس طرح رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے شرف سب سے پہلے ایک عورت ـــــ خدیجۃ الکبریٰ ـــــ کو حاصل ہوُا۔ اسی طرح راہِ حق میں سب سے پہلے جس کا خون بہایا گیا وہ بھی ایک عورت ہی تھی ـــ عمارؓ بن یاسرؓ کی والدہ سمیّہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا وہ خوش نصیب خاتون ہیں جو راہِ حق کی پہلی شہید تھیں۔ جب اُن کے خاندان نے اسلام قبول کیا تو مشرکین مکّہ نے انھیں طرح طرح سے ستانا، مارنا پیٹنا اور عذاب دینا شروع کر دیا۔ حضرت یاسرؓ مار پیٹ کی تاب نہ لا سکے اور بیمار ہو کر چل بسے۔ سمیّہؓ کو خاوند کی وفات کا سخت صدمہ تھا۔ انھوں نے ابوجہل سے سخت کلامی کی۔ اُس لعین نے ایک ایسی برچھی ماری کہ یہ عفّت شعار خاتون شہید ہو گئیں ـــــ

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خُون غلطیدن
خُدا رحمت کُند ایں عاشقانِ پاک طینت را



"میرا رب اللہ ہے"

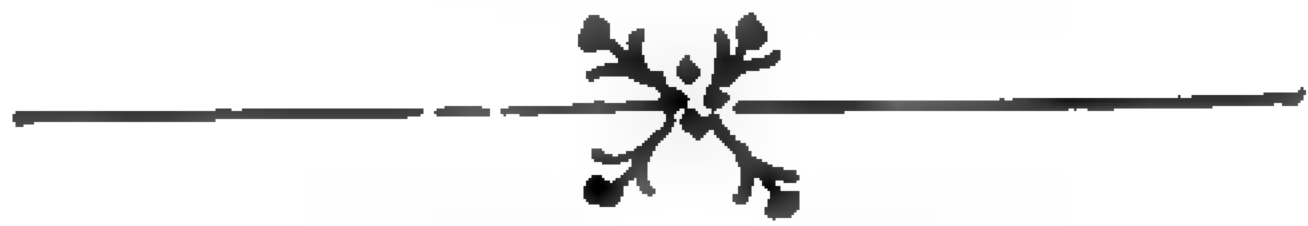
ایک دن آنحضرت محمد مصطفےٰ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم صحنِ کعبہ میں نماز پڑھ رہے تھے کہ ایک شریر النفس آدمی "عقبہ بن معیط" پیچھے سے آیا اور اپنی چادر کو رسی سے لپیٹ کر حضورؐ کے گلوئے مبارک (گردن) میں اس کا پھندا ڈال دیا اور پھر اُسے بری طرح مروڑنے لگا۔ حضورؐ کو اس سے بہت سخت تکلیف محسوس ہوئی اور آپ کی چشم ہائے مقدس اُبل آئیں۔ اتنے میں حضرت صدیق اکبرؓ وہاں آن پہنچے۔ انہوں نے دیوانہ وار آگے بڑھ کر بدبخت عقبہ کو پیچھے ہٹایا۔ اور اہل قریش سے مخاطب ہو کر فرمایا:

"کیا تم صرف اس لئے ایک شخص کو قتل کرتے ہو۔ کہ وہ کہتا ہے کہ "میرا رب اللہ ہے" حالانکہ وہ اپنے رب کی طرف سے واضح نشانات لے کر آیا ہے۔"

مشرکین مکہ یہ سن کر حضرت صدیق اکبرؓ پر بے تحاشا ٹوٹ پڑے۔ اور مار مار کر انہیں بے ہوش کر دیا۔

بعد میں حضرت ابوبکرؓ کے عزیزوں نے آکر ان کو بچایا ہوش میں آنے کے بعد آپؓ کی زبان پر یہ الفاظ تھے۔ تَبَارَکْتَ یَاذَالْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ ہ

اے عزت و جلال والے تیری ذات بہت بابرکت ہے۔



بدبخت دین کیلئے

قرآن کی سورۃ کا نزول

ابولہب حضورؐ کا حقیقی چچا تھا۔ لیکن جس دن سے آنحضرت رسول کریمؐ نے تبلیغ حق کا آغاز فرمایا تھا۔ اسی دن سے وہ اور اس کی بیوی آپؐ کے درپے آزار (جان کے دشمن) ہو گئے تھے۔ ہر وقت رحمتِ دو عالم سرورِ کائنات آقائے دو جہان صلی اللہ علیہ وسلم کو ستانے اور تکلیف پہنچانے کے منصوبے باندھتے رہتے تھے۔ ابولہب ہر وقت حضورؐ کے پیچھے پیچھے رہتا اور لوگوں سے کہتا۔ "یہ دیوانہ ہے" پاگل ہو گیا ہے وغیرہ وغیرہ اس کی باتوں پر کان نہ دھرنا۔ ہر وقت تمسخر ٹھٹھا تو اس کا معمول بن گیا تھا۔ جب موقع ملتا۔ جسمانی ایذا رسانی سے بھی گریز نہ کرتا۔ اس کی بیوی اپنے خاوند سے بھی زیادہ مخالف تھی۔ اس کا محبوب مشغلہ یہ تھا۔ کہ جس راستے سے حضورؐ نے گزرنا ہوتا وہاں جنگل سے لاکر کانٹے بچھا دیتی۔ کئی دفعہ حضورؐ

تلوے ان کانٹوں سے لہولہان ہو جاتے۔ اس پر بس نہ کرتی
بلکہ اکابرین قریش کے گھروں میں جاکر انہیں آنحضورؐ کے خلاف
بھڑکاتی۔ گالی گلوچ کرتی۔ لیکن حضورؐ نہایت استقلال
اور صبر سے سب کچھ برداشت کرتے رہے اسی وجہ سے
اِن کے متعلق سورہ "ابی لہب" کا نزول قرآن مجید میں
ہوا ہے۔



ایک شقی القلب کا قبولِ حق

نبوّت کے ساتویں سال جب محصورین ابی طالب کا واقعہ آنحضرت محمدؐ کو پیش آیا۔ خود اہل مکّہ نے ہر ایک شئے حتیٰ کہ کھانے پینے کی اشیاءؐ کی بھی ممانعت کر دی۔ مکّہ میں غلہ یمامہ سے آتا تھا۔ اہل یمامہ نے کفّارِ مکّہ کے ایما پر ان محصورین شعیب ابی طالب کے ہاتھ غلّہ فروخت کرنے سے انکار کر دیا۔ بلکہ ان کے شقی القلب رئیس کو بھوک کے اور بلبلاتے ہوئے بچوں پر رحم نہ آیا۔ اور اس نے ایسا سخت انتظام کیا کہ یمامہ کے غلّے کا ایک دانہ بھی شعب ابی طالب میں نہیں پہنچ سکتا تھا۔ رسول کریمؐ کی ہجرت کے بعد بھی ثمامہ ایک دفعہ مسلمانوں کے ہاتھوں گرفتار ہو گئے۔ انہیں رسول اکرمؐ کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ تو آپؐ نے حکم دیا۔ کہ اسے مسجد کے ستون کے ساتھ باندھ دیا جائے۔ ثمامہ نے لجاجت سے کہا۔ اے محمدؐ! اگر تم مجھے قتل کرو گے تو بجا ہوگا۔ میں اسی کا مستحق ہوں۔

اور اگر احسان کرو گے تو ایک شکر گزار پر احسان ہو گا۔ اگر زرِ فدیہ سے میری رہائی ممکن ہے تو میں وہ بھی دینے کو تیار ہوں۔"

آنحضور نے اس بات کا کوئی جواب نہ دیا اور مسجد سے باہر تشریف لے گئے۔ وہ مسلسل تین دن تک یہی التجا کرتا رہا تیسرے دن آنحضورؐ نے حکم دیا کہ اسے آزاد کر دو۔ ثمامہ کو اپنی شقاوتِ قلبی اور اسلام دشمنی اچھی طرح یاد تھی۔ خلافِ توقع رہائی پا کر اس قدر متاثر ہوا۔ کہ اسی وقت صدقِ دل سے کلمۂ شہادت پڑھ کر حلقۂ بگوش اسلام ہو گیا۔ اور حضورؐ کی خدمت میں روتے ہوئے عرض کی۔ "یا رسولؐ اللہ آج سے پہلے مجھ سے بڑھ کر آپ کا دشمن کوئی نہ تھا۔ لیکن آج آپ سے بڑھ کر مجھے کوئی محبوب نہیں ہے۔ اسلام کو میں بدترین مذہب سمجھتا تھا۔ لیکن آج یہ میرے نزدیک سب سے بہترین مذہب ہے۔ مدینہ سے مجھے سخت ترین نفرت تھی۔ لیکن آج اس سے بڑھ کر زیادہ پسندیدہ شہر میری نظر میں نہیں ہے" مسلمان ہو کر ثمامہؓ مکّہ گئے تو قریش نے طعنہ دیا۔ کہ "تیری عقل ٹھکانے نہیں رہی۔ جو تو نے محمدؐ کا دین اختیار کر لیا ہے۔"

ثمامہؓ نے غضبناک ہو کر جواب دیا۔ "خدا کی قسم! اب محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت کے بغیر ایک دانہ غلّہ بھی مکّہ میں یمامہ سے نہیں آئے گا۔

چنانچہ انہوں نے اہلِ مکہ کو غلہ کی ترسیل فوری طور پر بند کر دی۔ جس سے مکہ میں قحط پڑ گیا اور قریش کو اپنے کئے کی سزا بھگتنا پڑی۔ بچے۔ بوڑھے۔ مرد۔ عورتیں سب اناج کے ایک ایک دانہ کے لئے ترس گئے۔ بالآخر تنگ آ کر اہلِ قریش نے آنحضرت صلعم کے پاس ایک وفد بھیج کر رحم کی درخواست کی۔ آنحضرت صلعم کو رحم آ گیا اور آپؐ نے ثمامہؓ کو حکم بھیجکر یہ بندش اٹھوا دی۔



صدیق اکبرؓ کا قبولِ حق

عجیب و غریب خواب کا پورا ہونا

نبوت سے پیشتر ایک مرتبہ حضرت ابوبکر صدیقؓ
اعلان بسلسلۂ تجارت ملک شام گئے۔ وہاں ایک رات خواب میں آپؓ نے دیکھا کہ "ایک پاکیزہ نور آسمان سے اُتر کر خانہ کعبہ کی چھت پر چمک اٹھا ہے اور اس کی شعاعیں مکّہ اور ارد گرد کی دنیا میں پھیل گئی ہیں۔ اس کے بعد وہ نور سمٹ کر اُن کے گھر میں جمع ہو گیا ہے۔" آپ نے اس خواب کی تعبیر بحیرہ نامی راہب سے دریافت کی تو اس نے سب سے پہلے آپ سے یہ پوچھا کہ تم ہو کون! اس پر آپ نے سارا حال کہہ سُنایا۔

بحیرہ نے خواب کی تعبیر بیان کرتے ہوئے کہا کہ اللہ تعالیٰ تم میں آخری نبی پیدا کرے گا۔ تم اس کے مقربین میں سے ہو گے اور وفات رسالت کے بعد خلیفہ بنائے جاؤ گے۔"

جب آپؓ سفر سے واپس آئے تو حسب قاعدہ سرداران قریش سے مکہ کے تازہ ترین حالات دریافت کئے۔ ابوجہل نے کہا۔ کہ سب سے تازہ اور دلچسپ خبر یہ ہے کہ ابوطالب کے یتیم بھتیجے محمدؐ نے نبوت دعوے کیا ہے اور کہتا ہے کہ بتوں کو چھوڑ کر ایک خدا کی پوجا کرو۔ ہمیں صرف تمہارا انتظار تھا کہ تمہارے مشورے کے بعد اس کے روکنے کا مناسب بندوبست کیا جاوے۔

سرداران قریش کے واپس چلے جانے کے بعد آپؓ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ملاقات کے لئے حاضر ہوئے۔ آنحضرتؐ نے آپؓ کے سامنے اسلام کی چیدہ چیدہ باتیں بیان کیں۔ پھر آپؓ کے خواب اور بحیرہ کی تعبیر کا پورا پورا حال بیان کر دیا۔ حالانکہ حضرت ابوبکرؓ نے اپنے خواب کا کسی سے بھی ذکر تک نہ کیا تھا۔ اس پر وہ سچے دل سے کلمہ پڑھکر مسلمان ہو گئے۔

آنحضور صلعم فرماتے ہیں۔ کہ میں نے جس شخص کو بھی دعوت اسلام دی اس میں تردد کچھ نہ کچھ ضرور دیکھا۔ مگر ابوبکرؓ نے دعوت اسلام کو بلا جھجک قبول کر لیا۔



اللہ کی امان

سلسلہ ۱۳ نبوی میں جب حضرت ابوبکر صدیقؓ نے بہ اجازت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت حبشہ کا فیصلہ کیا۔ گھر سے یمن کے راستے حبشہ کو روانہ ہو گئے۔ تو راستے میں قارہ کا رئیس ابن الدغنہ ملا۔ جب اُسے ان کی ہجرت کا حال معلوم ہوا تو کہنے لگا "آپ ایسے شخص کو جو بیکسوں کا حامی غمزدوں کا غم خوار نیک اور سچا ہو۔ وطن چھوڑنے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ میں تمہیں پناہ دیتا ہوں تم واپس مکّہ چلو اور اپنے خدا کی عبادت کرو۔" اس پر جناب صدیقؓ واپس چلے آئے۔ قریش کے بڑے بڑے لوگوں نے ابن الدغنہ کی امان کو اس شرط پر قبول کیا کہ صدیق اکبرؓ علانیہ اپنے رب کی عبادت نہیں کریں گے۔ بلکہ اپنے گھر میں نہایت خاموشی سے عبادت کریں گے۔

کافی عرصہ تک صدیق اکبرؓ نے ایسا ہی کیا۔ بالآخر اس پابندی سے تنگ آ کر کھلے بندوں عبادت الٰہی میں مصروف ہو گئے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضؓ پر کلام الٰہی کا خاص اثر ہوتا تھا۔ تلاوت کے وقت آپ زار و قطار رویا کرتے تھے۔ ایسے موقعوں پر قریش کے مرد اور عورتیں آپ کے گرد جمع ہو جاتے اور ان پر آپؓ کے خلوص کا انتہائی گہرا اثر ہوتا۔ اور وہ محوِ حیرت ہو کر ایکدوسرے پر پروانہ وار گرتے۔ یہ حالت دیکھ کر سردارانِ قریش گھبرا گئے انہوں نے ابو دغنہ کو بلا کر اس سے شکایت کی کہ صدیق اکبرؓ اپنے وعدے اور شرائط پر قائم نہیں رہے۔ انہیں تم سمجھاؤ۔ کیونکہ وہ اعلانیہ میں تلاوت اور عبادت کرتے ہیں اور ہمیں اپنے مردوں اور عورتوں کے گمراہ ہونے کا ڈر ہے۔ تم یا تو اُن کو روکو۔ یا پھر اپنی امان واپس لو۔

ابو دُغنہ نے حضرت ابُوبکر صدیقؓ سے اس امر کی شکایت کی تو آپؓ نے فرمایا۔ کہ مجھے تمہاری پناہ کی ضرورت نہیں۔ میرے لئے میرے رب "اللہ" ہی کی پناہ کافی ہے۔ تمہیں تمہاری پناہ مبارک ہو اور اپنی امان کو واپس لے لو۔

چنانچہ ابن الدغنہ نے اپنی امان واپس لے لی۔



تلواروں کی جھنکاریں

سلسلہ ۱۳ نبوی میں جب آنحضرت صلعم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہجرت کا حکم ہوا تو اُس وقت مکہ مکرمہ میں آپؐ کے صحابہ میں سے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت علیؓ کے سوا اور کوئی نہ تھا۔ آپؐ نے حضرت ابوبکرؓ سے تمام واقعہ بیان کیا۔ صدیق اکبرؓ نے ساتھ رہنے کی درخواست کی۔ جسے آنحضرت نے قبول فرمایا۔ اس سلسلے میں مکمل تیاری حضورؐ نے شروع کر دی۔ دوسری طرف مُشرکین مکہ کو بھی آپؐ کے ہجرت کا حال معلوم ہوا۔ انہوں نے باہم مشاورت اور ابوجہل کی تجویز سے یہ فیصلہ کیا۔ کہ ہر قبیلہ میں سے ایک ایک نوجوان چُن کر آنحضورؐ کے گھر کا محاصرہ کر لیا جاوے۔ تاکہ جس وقت آنحضورؐ گھر سے باہر تشریف لاویں تو سب یکدم ٹوٹ پڑیں اور حضورؐ صلعم کو قتل کر دیں۔ اس سے اُن کا مدعا یہ تھا۔ کہ بنو ہاشم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خون کا بدلہ کسی بھی قبیلے سے لینے کی جراُت نہ کر سکیں۔ آنحضرت صلعم کو بھی بذریعہ

وحی اس کی اطلاع مل گئی۔ آپؐ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو بلا بھیجا جب حضرت علیؓ تشریف لائے۔ تو آپؐ نے اُن سے فرمایا۔ ک مجھے مکّہ چھوڑنے کا حکم ہوُا ہے۔ میں آج ہی مدینہ جا رہا ہوں۔ تم میرے بستر پر سو رہو۔ صبح لوگوں کی امانتیں انھیں دے کر تم بھی مدینہ چلے آنا۔ آپؐ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو سلانے کے بع آدھی رات کو آپؐ گھر سے نکلے۔ جو کافر پہرے پر تھے وہ اُونگھ رہے تھے۔ آپ سورۂ یٰسین پڑھتے ہوئے اُن کے پاس سے نکل گئے اور انہیں پتا بھی نہ چلا۔ وہ یہی سمجھتے رہے۔ کہ حضورؐ اند ہیں، جبکہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ بے خوف و خطر حضورؐ کے بستر پ ساری رات سوتے رہے۔ صبح کو قریش مکّہ نے جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو مکان سے باہر آتے ہوئے پایا تو استفسار کرنے پر معلوم ہوُا ک حضورؐ جا چکے ہیں تو انہیں سخت افسوس ہوُا۔ اور وہ حضرت علی کرم الل وجہہ کو بُرا بھلا کہتے ہوئے محاصرہ اٹھا کر چلے گئے۔ بعد میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ سب امانتیں واپس لوٹا کر حضورؐ کے پاس پہنچ گئے۔



عاشقِ قرآن کی جرأت

کھلم کھلا اعلانِ حق!

ایک دن صحابہ اکرامؓ نے باہم مشورہ کیا۔ کہ اہلِ قریش کو باآوازِ بلند قرآن پاک سنایا جائے۔ کیونکہ اُن کے کان کلام الٰہی سے ناآشنا تھے۔

عاشقِ قرآن حضرت عبداللہ بن مسعود رضؓ نے کہا کہ میں اس کام کو سرانجام دوں گا۔ صحابہؓ نے کہا۔ یہ کام بڑا کٹھن ہے۔ ایسا نہ ہو کہ تم کسی مصیبت میں مبتلا ہو جاؤ۔ تمہارا قبیلہ ناطاقت ور اور وسیع نہیں ہے کہ تمہیں مشرکین کے پنجۂ ستم سے نجات دلا سکے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے جوشِ ایمان سے بیقرار ہو کر کہا مجھے جانے دو۔ جو اللہ کو منظور ہو گا۔ وہی ہو گا۔ مجھے اسی کا آسرا ہے۔ صحابہ کرامؓ ان کا جوش و خروش دیکھ کر

خاموش ہو گئے۔

دوسرے دن طلوعِ آفتاب کے بعد جب مشرکینِ قریش ایک جگہ جمع تھے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے نہایت بلند آواز سے سورۃ الرحمٰن کی تلاوت شروع کر دی۔ مشرکینِ مکہ یہ آواز سن کر بہت حیران ہوئے۔ اور ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔ ایک نے کہا۔ یہ تو وہ کتاب پڑھ رہا ہے جو محمدؐ پر اُتری ہے۔ یہ سُن کر سارا مجمع جوشِ غضب سے بیقرار ہو گیا اور عبداللہ بن مسعودؓ پر ٹوٹ پڑا۔ مظلوم عاشقِ قرآن کو اس قدر مارا کہ ان کا چہرہ متورم ہو گیا۔ اور جسم کے کئی حصّوں سے خون بہہ نکلا۔ لیکن جوشِ ایمانی کا یہ عالم تھا کہ پٹتے جاتے تھے لیکن قرآن خوانی جاری تھی حتّٰی کہ مشرکینِ مکہ مارتے مارتے تھک گئے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اس وقت خاموش ہوئے جب کہ سورہ الرحمٰن ختم ہو گئی۔

جب وہ خستہ حال اور پریشان ہو کر صحابہ کرامؓ کے پاس گئے تو اُنہوں نے کہا۔ "ہم کو اسی بات کا خدشہ تھا اور اسی لئے ہم تمھیں جانے سے روکتے تھے"۔ اس پر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا: خدا کی قسم! مُشرکینِ مکہ آج سے زیادہ میری نظر میں کبھی ذلیل نہیں ہوئے۔ میں نے ارادہ کر لیا ہے۔ کہ کل پھر انہیں

سناؤں گا۔"

صحابہؓ کرام نے فرمایا "تم نے جو کچھ کیا ہے اب کچھ وہی کافی ہے تمہیں اب جانے کی ضرورت نہیں ہے جس کا سُننا اُن کے لئے ناگوار تھا۔ وہ تم نے اُن کے کانوں تک پہنچانے کا حق ادا کر دیا۔" صحابہ کرامؓ کے مجبور کرنے پر آپؓ نے بھی خاموشی اختیار کر لی۔



صبر و استقامت کا پہاڑ

حضرت خبابؓ بن ارت نے جب اسلام قبول کیا تو اہل مکہ نے اُن پر بے پناہ مظالم توڑے۔ لوہا تپا کر ان کا سر داغا گیا۔ کوئلے دہکا کر انھیں ننگے بدن ان پر لٹا دیا گیا۔ جب اس پر بھی آتشِ انتقام نہ بجھی تو ایک بھاری پتھر ان کے سینے پر رکھ دیا گیا تاکہ ہلنے نہ پائیں۔ پھر ایک سنگدل اس پتھر پر چڑھ گیا۔ انگارے ان کے جسم کو جلا کر کمر میں کھب گئے اور چربی پگھل پگھل کر بہنے سے کوئلے بجھ گئے۔ ان کی پیٹھ پہ عمر بھر یہ نشان نمایاں رہے۔ چمڑا جل کر سفید داغ سے پڑ گئے تھے۔ ان کا ایک چھوٹا بچہ اُن سوراخوں میں اُنگلی ڈال دیا کرتا تھا۔ کفّار نے انھیں اس قدر ستایا کہ زبانِ نبوّت سے بے اختیار اُن کے حق میں دُعا نکلی:۔

خُدایا! خبّاب کی مدد کر!



کشتۂ ظلم و ستم

ابوفکیہہؓ قریش کی شاخ بنو عبدالدار کے غلام تھے۔ دعوتِ اسلامی کی ابتدا ہی میں اسلام قبول کیا اور دشمنانِ اسلام کے ظلم و ستم کا نشانہ بن گئے۔ ان کے آقا اسلام لانے کے جُرم بے گناہی پر اُنھیں ایسی ایسی دردانگیز سزائیں دیتے تھے جن کے ذکر سے بھی کلیجہ مُنہ کو آتا ہے۔ اُنہیں ٹھیک دوپہر کو تپتی ہوئی ریت پر اوندھے منہ لٹا دیتے اور ایک بھاری پتھر پیٹھ پر رکھ دیتے۔ تاکہ جنبش نہ کر سکیں۔ انہیں انتہائی بیدردی سے پیٹا جاتا یہاں تک کہ وہ بیہوش ہو جاتے۔ اُن کے پاؤں میں بیڑیاں ڈال کر گھسیٹا جاتا اور باہر لے جا کر دوپہر کے وقت گرم ریت پر ڈال دیا جاتا۔ بعض دفعہ انہیں پانی میں غوطہ دیا جاتا۔

ایک دفعہ امیّہ انہیں پیٹ رہا تھا کہ اس کا بیٹا صفوان بھی آ پہنچا۔ اس نے از راہ تحقیر ابوفکیہہؓ سے کہا: "کیا اُمیّہ تیرا رب نہیں ہے؟" انہوں نے جواب دیا: "میرا رب اللہ ہے۔ صفوان کو اس بات پر

سخت غصہ آگیا اور اس نے اس زور سے ان کا گلا گھونٹا کہ ان کی آنکھیں باہر آگئیں۔ آخر مردہ سمجھ کر چھوڑ دیا۔۔۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے جن غلاموں کو خرید کر آزاد کیا تھا، ابو فکیہہؓ بھی اُن میں سے ایک تھے۔ قریشِ مکہ کی مار نے اُن کا جسم و جان نڈھال کر دیا تھا۔ ہجرت کے بعد زیادہ دیر زندہ نہ رہ سکے اور جلد ہی عالمِ آخرت کو سدھا گئے۔۔۔ ان کا صبر و ثبات اور راہِ حق میں قربانی کا جذبہ صحابہؓ کی جماعت میں ایک مثال بن گیا تھا۔



دُنیا بھر سے مُقابلہ کا اعلان

صحابہؓ کی جماعت میں حضرت عباسؓ بن عبادہ ایک ایسے شخص تھے جو مہاجر بھی ہیں اور انصاری بھی۔ انصاری اس لئے کہ ان کا تعلق مدینے کے قبیلۂ خزرج سے تھا اور مہاجر اس لئے کہ حضورؐ سے بیعت کرنے کے بعد یہ مکّے ہی میں مقیم ہو گئے تھے۔ جب ہجرت کا حکم ہُوا تو دوسرے مہاجرین کے ہمراہ مدینے میں وارد ہوئے۔

ہجرت سے قبل اہلِ مدینہ کی ایک جماعت مکّے کی ایک گھاٹی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم سے مل کر مشرف بہ اسلام ہوئی۔ جب یہ لوگ بیعت کے لئے جمع ہوئے تو عباسؓ بن عبادہ نے انصار کے سامنے ایک تقریر کی اُنھوں کہا: "بھائیو! تم جانتے ہو کہ رسُولِ خُدا سے کس چیز پر بیعت کر رہے ہو؟ اس کی اہمیت کو سمجھو۔ درحقیقت یہ بیعت عرب و عجم سے اعلانِ جنگ ہے اس میں تمہیں بے پناہ خطرات کا سامنا کرنا ہوگا۔ تمھارے ذی اثر

لوگ مارے جائیں گے۔ مال تلف ہو گا۔ دنیا بھر کی مخالفت سہنا پڑے گی۔ پس اگر ان مشکلات کا مقابلہ کرنے کی ہمت ہے تو بسم اللہ! بیعت کر لو۔ ورنہ دین و دنیا کی ندامت سر لینے سے کیا فائدہ؟" ان کی اس تقریر نے انصار کے دل گرما دیئے اُنھوں نے بخوشی بیعت کر لی۔ بیعت کے بعد عباسؓ بن عبادہ نے حضور صلعم سے عرض کیا یا رسول اللہ! اگر آپؐ پسند فرمائیں تو ہم ہمیں میدانِ کارزار گرم کر دیں۔ آپ نے فرمایا ابھی اس کی اجازت نہیں۔ وقت آ رہا ہے۔ جب تم اپنے حوصلے نکال سکو گے عباسؓ بن عبادہ نے جنگ اُحد میں مردانہ وار لڑ کر شہادت پائی۔



نفع بخش سودا

صہیب رضی اللہ عنہ رومی ایک بہت بڑے تاجر تھے جو مشرف باسلام ہو چکے تھے۔ قریش مکہ کے مظالم انتہا کو پہنچے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہجرت کا حکم ہوا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ بھی ہجرت فرما گئے تو باقی مسلمانوں نے بھی رختِ سفر باندھا۔ جب صہیب رومی ہجرت کو تیار ہوئے، تو قریشِ مکہ نے انہیں آگھیرا اور اپنا ایک نرالا حق جتلایا: "صہیب! جب تو مکے میں آیا تھا تو مفلس و قلاش تھا۔ یہاں رہ کر تو نے ہزاروں روپے کمائے۔ آج تو یہاں سے جاتا ہے اور چاہتا ہے کہ سب مال و زر لے جائے، یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔"

اس انوکھی منطق پر صہیب حیران نہیں ہوئے۔ کیونکہ وہ جانتے تھے یہ لوگ کس قماش کے آدمی ہیں۔ انھیں ایمان سب مال و دولت سے زیادہ عزیز تھا۔ انہوں نے پوچھا: "اگر میں اپنا سارا مال و متاع تمہیں دیدوں تب مجھے جانے دو گے؟"

قریش بہت خوش ہوئے۔ سب نے یک زبان ہو کر کہا "ہاں"۔ اور صہیب سارا مال اُن کے حوالے کر کے خالی ہاتھ یثرب کی طرف روانہ ہو گئے اور دربارِ رسالت میں پہنچکر سارا واقعہ بیان کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ قصہ سُن کر فرمایا "بیشک اس سودے میں صہیب رضی اللہ عنہ نے نفع کمایا۔"

اعلانِ حق بہ بانگِ دہل

حضرت ابوذر غفاریؓ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ابوذر اب تم اپنے قبیلہ میں لوٹ جاؤ اور اسے دعوتِ توحید دو۔ جب تمہیں میرے ظہور کی اطلاع ملے۔ اس وقت پھر یہاں آجانا۔ فی الحال مکّہ میں اپنا اسلام پوشیدہ رکھو"۔

ابوذرؓ کا دل جوشِ ایمانی سے بھرپور تھا۔ عرض کی "یارسول اللہ! خدا کی قسم! میں مکّہ میں اپنے اسلام کا اعلان کر کے جاؤں گا"۔ حضورؐ ان کا جوش اور ولولہ دیکھ کر خاموش ہو گئے۔

ابوذرؓ سیدھے مسجد حرام میں تشریف لے گئے وہاں مشرکینِ مکّہ کا مجمع تھا۔ ابوذرؓ نے مشرکین سے مخاطب ہو کر باوازِ بلند کہا۔ "لوگو! خدائے واحد کے سوا کوئی پرستش کے لائق نہیں اور محمّد صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے سچے رسول ہیں"۔ ابوذرؓ کی زبان سے یہ الفاظ نکلے ہی تھے کہ مشرکین چاروں طرف سے اُن پر ٹوٹ

پڑے۔ اور مار مار کر لہو لہان کر دیا۔ اتنے میں عباس بن عبدالمطلبؓ آ پہنچے۔ ایک غریب الوطن کو دیکھ اُن کا دل بھر آیا۔ ابُوذرؓ کے اوپر گر پڑے اور مشرکین سے کہا۔ "اپنا ہاتھ روکو۔ کیوں اس غریب کی جان لینا چاہتے ہو۔ عباسؓ ابھی ایمان نہیں لائے تھے۔ اس لئے مشرکین کو ان کی بات کا بہت پاس تھا۔ ان کے کہنے پر انہوں نے حضرت ابوذرؓ کو چھوڑ دیا۔ لیکن توحید کے متوالے حضرت ابُوذرؓ دوسرے دن پھر خانہ کعبہ پہنچے اور مشرکین مکّہ کو دعوت دینے لگے۔ مشرکین نے انہیں پھر پکڑ لیا۔ اور زدوکوب کرنا شروع کر دیا۔ اس وقت بھی عباسؓ اُن کے آڑے آئے۔ اور مشرکین کو سمجھایا کہ یہ شخص غفار کے جنگجو اور خون آشام قبیلے کا فرد ہے، اگر تم نے اسے ہلاک کر دیا۔ تو تمہارا کوئی قافلۂ تجارت منزلِ مقصود تک نہ پہنچ سکے گا۔ غفاریوں سے خواہ مخواہ کی دشمنی کیوں مول لیتے ہو"۔ یہ بات مشرکین مکّہ کی سمجھ میں آ گئی۔ اور انہوں نے ابوذرؓ کو چھوڑ دیا۔

بعد میں حضرت ابُوذر غفاریؓ اپنے قبیلے میں واپس چلے گئے۔ اور وہاں تبلیغ اسلام شروع کر دی۔



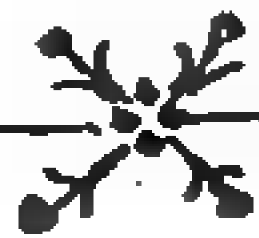
اپنا دِل اور اپنی جان محمدؐ اور محمدؐ کے خدا کے پاس رہن !

حضرت بلال بن رباحؓ جو مشہور مشرک اُمیہ بن خلف کے غلام تھے۔ اسلام قبول کر چکے۔ تو اُن کے آقا کو اُن کے اسلام لانے کا حال معلوم ہوا۔ یہ سُن کر وہ آگ بگولا ہو گیا۔ کہنے لگا۔ اُسے میرے ایک ادنیٰ غلام کی یہ جرأت۔ کہ وہ میرے جیتے جی محمدؐ کا دین اختیار کرے۔ حضرت بلالؓ کو بلا کر پوچھا "تم کئی روز سے تنہائی میں عجیب قسم کی عبادت کرتے ہو۔ سچ بتاؤ کسے پوجتے ہو" حضرت بلالؓ نے بے دھڑک جواب دیا "محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم کے خدا کو" اُمیہ نے انتہائی غصہ سے ان کی طرف دیکھا۔ اور کہا۔ محمدؐ کے خدا کی پرستش کرنے کا یہ مطلب ہے۔ کہ تو مقدس لات و عزّیٰ کا دشمن ہو گیا ہے۔ سیدھی طرح راہِ راست پر آجاؤ۔ ورنہ ذلت کے ساتھ مارے جاؤ گے۔ میں یہ ہرگز برداشت نہیں کر سکتا کہ تم لات و ہُبل کے ایک نام لیوا کے غلام ہو کر محمدؐ کے خدا کی پرستش کرو"

حضرت بلالؓ جو توحید کے رنگ میں رنگے جا چکے تھے۔ اور توحید کے نشہ میں مست ہو گئے تھے۔ نتائج و عواقب سے بے پرواہ ہو کر جواب دیا۔ "میرے جسم پر تمہارا بس چل سکتا ہے۔ لیکن میں اپنا دل اور اپنی جان حضرت محمدؐ اور محمدؐ کے خدا کے پاس رہن رکھ چکا ہوں۔ اب ذات واحد ہی میری زندگی کا منتہائے مقصود ہے۔ تمہارے خود ساختہ معبودوں کو پوجنا میرے بس کی بات نہیں۔"

اس بات پر اُمیّہ جھلّا اٹھا۔ اور کہا "اچھا تو پھر اپنی بے دینی کا مزہ چکھ دیکھو نگا۔ کہ محمدؐ اور محمدؐ کا خدا تمہیں کیسے چھڑاتے ہیں"۔ یہ کہکر اُس ظالم نے حضرت بلالؓ جور و ستم کا لا منتہائی سلسلہ شروع کر دیا۔ اور اس قدر اذیتیں دیں۔ کہ خدا کی پناہ۔ بُری طرح مارا پیٹا۔ لوہے کی زرہ میں جکڑ کر تازیانے رسید کئے۔ سخت ترین تازیانے رسید کئے۔ دوپہر کی تپتی دھوپ میں تانبے کی طرح تپی ہوئی ریت پر لٹاتا اور سینہ مبارک پر بھاری پتھر رکھ دیتا۔ دہکتے ہوئے انگاروں اور جلتے ہوئے سنگریزوں پر لٹاتا اور انہیں اسلام چھوڑنے پر مجبور کرتا لیکن وہ مرد صدق و یقین ہر تازہ سے تازہ ستم رانی کے جواب میں ایک ہی نعرہ لگاتا تھا۔

اَحَدٌ۔ اَحَدٌ۔ اَحَدٌ۔ اَحَدٌ ۔۔۔۔۔۔



ہم محمدؐ رسول اللہ کے سپاہی ہیں

جنگ بدر جس بے سروسامانی کیحالت میں لڑی گئی وہ تاریخ عالم کی حیرت انگیز جنگ ہے لیکن مسلمہ حقیقت ہے۔ حضورؐ کو جب یقین ہو گیا کہ کفار قریش کا قافلہ تجارت تو بچ کر نکل گیا ہے اور اب مقابلہ ان کے مسلح لشکر سے ہو گا تو آپؐ نے ساتھیوں سے مشورہ کیا۔ مہاجرین نے پُرجوش تقریریں کیں، آپؐ خاموش تھے۔ کیونکہ انصار کی طرف سے ابھی کوئی نہیں بولا تھا اور آپؐ انہی کی رائے لینا چاہتے تھے۔ اس صورتِ حال کو تاڑ کر انصار کے قبیلہ خزرج کے سردار سعدؓ بن عبادہ نے اُٹھ کر عرض کیا: حضرتؐ! آپ کا اشارہ غالباً ہماری طرف ہے سو آپؐ کا دوست ہمارا دوست آپؐ کا دشمن ہمارا دشمن ہے۔ آپ حکم دیکر دیکھیں ہم ہر قیمت پر اطاعت کریں گے۔ اگر آپؐ سمندر میں کود جانے کا حکم دیں گے تب بھی اُس میں کُود جائیں گے۔ ہمارا مال و جان ہر خدمت کے لئے حاضر ہے۔ حضرت مقدادؓ بن عمرو نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم موسٰی کی قوم نہیں جو کہیں گے کہ اے موسٰیؑ کر تُو اور خدا جا کر لڑو ہم یہاں بیٹھے ہیں۔ بلکہ ہم محمد رسُول اللہ کے سپاہی ہیں۔ ہم آپؐ کے آگے پیچھے، دائیں، بائیں دادِ شجاعت دیں گے اور کسی حال میں آپ کا ساتھ نہ چھوڑیں گے۔ اس تقریر سے حضورؐ کا چہرہ فرطِ مسرّت سے اس طرح کِھل گیا جیسے گلاب کا پھُول ہو۔



ننھّے مُجاھدوں کی حرارتِ ایمانی

جنگ بدر میں تین سو تیرہ ۳۱۳ نہتّے مومن تیرہ سو ۱۳۰۰ مسلح کفار سے برسرِ پیکار تھے ۔ دونوں فوجیں دادِ شجاعت دے رہی تھیں ۔ مُشرکینِ مکّہ شمع اسلام کو ہمیشہ کے لئے گُل کر دینا چاہتے تھے ۔ اہلِ ایمان دینِ برحق پر پروانہ وار قربان ہو رہے تھے ۔ دو انصاری نوجوان معاذؓ اور معوّذؓ ــــ جو سگے بھائی تھے، ان کے والد کا نام عفراء تھا ــــ مشہور صحابی عبدالرحمٰنؓ بن عوف کے پاس آئے اور پُوچھنے لگے چچا جان! ابوجہل کہاں ہے ؟ عبدالرحمٰنؓ نے اشارے سے بتایا کہ وہ سامنے کفّار کے لشکر کے قلب میں کھڑا انہیں لڑا رہا ہے ۔ لیکن انھیں اس بات پر حیرت ہوئی کہ یہ نوجوان ابوجہل کا پتا کیوں پوچھتے ہیں ۔ چنانچہ انہوں نے فرمایا : بھتیجو! تم ابوجہل کو پوچھ کیا کرو گے ۔ انہوں نے بیک زبان جواب دیا کہ ہم نے سُنا ہے وہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کو گالیاں دیتا ہے ۔ ہم نے قسم کھائی ہے کہ اسے

ضرور قتل کریں گے۔ یہ کہہ کر باز کی طرح جھپٹے اور چند لمحوں کے
ابوجہل کا لاشہ خاک و خون میں تڑپ رہا تھا۔ مشرکوں کو اپنے
سردار کی اس ذلت آمیز موت سے سخت صدمہ ہوا۔ ابوجہل
کے لڑکے نے فوراً معوذؓ پر تلوار سے وار کیا۔ ضرب کاری تھی،
اُن کا ہاتھ شانہ سے لٹک گیا صرف تسمہ لگا رہ گیا مگر معوذؓ اس
حالت میں بھی برابر لڑتے رہے۔ پھر جب دیکھا کہ کٹا ہوا ہاتھ
شمشیر زنی میں رکاوٹ پیدا کرتا ہے تو تسمہ کاٹ کر
اُسے الگ پھینک دیا اور دوبارہ تیغ زنی میں مصروف ہو گئے۔



شہادت پر قرعہ اندازی

جنگِ بدر کی شرکت کیلئے سعدؓ بن خثیمہ کے والد نے اپنے بیٹے سے فرمایا کہ تم گھر پر رہو اور میں میدانِ جہاد کے لئے نکلتا ہوں لیکن سعد کو اصرار تھا کہ باپ گھر پر رہے اور وہ خود شریک جہاد ہوں۔ چنانچہ رفع اختلاف کے لئے باپ بیٹوں میں قرعہ اندازی تک نوبت پہنچی۔ خدا کی قدرت کہ قرعہ بیٹے کے نام نکلا اور وہؓ یہ کہہ کر میدان کے لئے روانہ ہوئے کہ اگر کوئی اور معاملہ ہوتا تو میں اپنی جان پر آپ کو ترجیح دیتا، لیکن یہ حصولِ جنّت کا معاملہ ہے۔ مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے شہادت سے سرفراز فرمائے گا۔" باپ نے اپنے آپ پر جبر کر کے اجازت دیدی۔ سعدؓ بن خثیمہ ان بارہ!! خوش بخت صحابہؓ میں سے ہیں جو میدانِ بدر کی نذر ہوئے شہادت سے سرخرو ہوئے۔



مکّے میں اِسلام کا نقیب

غزوۂ بدر ختم ہو چکا تھا۔ قریش مکہ اسلام کو مٹا دینے کا عزم لے کر یثرب پر حملہ آور ہوئے تھے، لیکن ہزیمت و رسوائی لے کر لوٹے تھے۔ اس لئے ایک ایک شخص انتقام کی آگ میں جل رہا تھا اور شمع حق کو بجھانے کے لئے نت نئے منصوبے سوچے جا رہے تھے انہی علمبرداران باطل میں سے دو شخص عمیر بن وہب اور صفوان بن اُمیّہ بھی تھے، جن میں سے امیر کا بیٹا جنگ بدر میں مسلمانوں کے ہاتھ میں اسیر ہو گیا تھا۔ یہ دونوں مکّے سے باہر ایک سنسان پہاڑی پر بیٹھے محوِ گفتگو تھے۔

"اگر مجھ پر قرض نہ ہوتا، جسے میں ادا نہیں کر سکتا اور مجھے اپنے کنبے کے لئے بے سہارا رہ جانے کا خیال نہ ہوتا تو میں خود مدینے جاتا اور محمدؐ کو قتل ہی کر کے لوٹتا" عمیر نے نہایت ہی حسرت بھرے لہجے میں کہا۔

"تیرا قرض میں چکا دوں گا اور جب تک میں زندہ ہوں تیرے کنبے کا خرچ میرے ذمے ہوگا، تم اس محمدؐ سے ہماری جان چھڑاؤ" صفوان نے نہایت اضطراب کے عالم میں جواب دیا۔ اور دونوں کے درمیان معاہدہ ہوگیا۔ دونوں نے اس معاہدے کو خفیہ رکھنے کا عہد کیا۔ اور عمیر نے اپنے مشن کے لئے تیاریاں شروع کر دیں۔

گھر پہنچ کر عمیر نے اپنی تلوار کو تیز کروایا، اسے زہر میں بجھوایا اور بغیر کسی کو بتائے یثرب کی راہ لی۔ سیدھا مسجد نبوی کے سامنے پہنچا اور اپنا اونٹ بٹھا کر مسجد میں داخل ہونے لگا۔ حضرت عمرؓ ابن خطاب نے دیکھا تو سمجھ گئے کہ عمیر کی نیت میں فتور ہے۔ وہ جانتے تھے کہ عمیر کس قماش کا آدمی ہے فوراً اسے گردن سے آدبوچا اور گھسیٹ کر نبی اکرمؐ کے سامنے لے گئے۔ حضورؐ نے دیکھا تو کہا "عمر اسے چھوڑ دو، عمیر تم میرے پاس آؤ"

عمیر آگے بڑھا اور مکارانہ سلام کیا۔ حضورؐ نے پوچھا "کہو کس ارادے سے آئے ہو"

"اپنے بیٹے کی خبر لینے آیا ہوں" عمیر نے جواب دیا۔

"یہ تلوار کیسی ہے؟" حضورؐ نے دریافت کیا۔

"یہ تلوار ہے۔ اور ہماری تلواروں نے آپ کا پہلے کیا بگاڑ

لیا ہے۔" عمیر نے پھر منافقت کی۔

"سچ سچ بتاؤ" حضورؐ نے پھر سوال کیا۔ لیکن عمیر نے اپنا پہلا جواب دُہرایا۔

اللہ کے غیر متوقع طور پر اس کا راز فاش کر دیا۔ "دیکھ تو اور صفوان مکّے سے باہر سنسان پہاڑ پر گئے تھے۔ صفوان نے تیرا قرضہ اور تیرے کنبے کا خرچہ اپنے ذمّے لے لیا ہے اور تو نے میرے قتل کا عہد کیا ہے اور تیرے یہاں آنے کا مقصد یہی ہے۔ عمیر تجھے یہ خیال نہ رہا کہ میرا محافظ خدا ہے۔"

عمیر کا رنگ اُڑ گیا۔ اُس نے اچھی طرح سوچا کہ اس کا راز اس سے پہلے ہی کس طرح یہاں پہنچ گیا۔ اس نے صفوان سے پختہ معاہدہ کیا تھا کہ یہ راز کسی طرح نہ کھُلے گا۔ پھر معاہدہ کے فوراً بعد وُہ پوری تیزی سے مدینے کی طرف چلا آیا تھا، اور یہ ممکن نہ تھا کہ مکّے کا کوئی اور شخص اس راز کو جان کر اس کے آنے سے پہلے محمدؐ تک پہنچا دے، اسے اچھی طرح یاد تھا کہ جب وہ صفوان کے ساتھ عہد و پیمان کر رہا تھا تو کوئی تیسرا شخص وہاں موجود نہ تھا۔ وہ دیر تک گہری سوچ میں ڈوبا رہا۔ یکایک اس کا دل نورِ ایمان سے منوّر ہو گیا۔ عرض کیا: "اب میرا دل مان گیا کہ آپ ضرور اللہ کے رسُول ہیں، کیونکہ میرے اور صفوان کے درمیان جو راز تھا، وہ وحی الٰہی

کے بغیر آپؐ کو قطعاً معلوم نہیں ہو سکتا۔ خدا کا شکر ہے کہ اس نے میرے قبولِ اسلام کا بہانہ بنا دیا اور دربارِ رسالت سے صحابہ کرامؓ کو حکم ہوا: "اپنے بھائی کو دین سکھاؤ۔ قرآن یاد کراؤ، اور اس کے فرزند کو آزاد کر دو۔"

چند دنوں کے بعد عمیر نے عرض کیا: "یا رسولؐ اللہ! مجھے اجازت دیجیے کہ میں مکّے ہی کو واپس چلا جاؤں اور وہاں علی الاعلان اسلام کی دعوت دے کر قریشِ مکّہ کو اسی طرح تنگ کروں جس طرح وہ مسلمانوں کو ستایا کرتے تھے۔" اور دربارِ رسالت سے اجازت مل گئی۔

عمیرؓ کی روانگی کے بعد صفوان نے لوگوں سے گول مول باتیں شروع کر رکھی تھیں۔ وہ کہتا تھا کہ چند دنوں میں تمھیں ایسی خبر ملے گی کہ بدر کے تمام صدمات بھول جاؤ گے۔ اُسے شب و روز عمیرؓ کا انتظار تھا۔ آخرکار عمیرؓ مکّے پہنچے، لیکن اب اُن کا مقصدِ زندگی بدل چکا تھا۔ صفوان کو اُن کے قبولِ اسلام کی خبر ملی تو اعلان کیا کہ میں اس سے عمر بھر نہ بولوں گا، لیکن عمیرؓ بہت دھڑلّے کے سردار تھے۔ کھلم کھلا اسلام کی دعوت پھیلاتے، لوگوں کو اپنے ہاتھ پر بیعت کر لیتے اور قریش کے دل کو خوب جلاتے۔ اللہ تعالیٰ نے اس نازک دور میں بھی مکّے میں ایک نقیبِ اسلام کا انتظام کر دیا تھا۔

جنّت کا شوق!

جنگ بدر میں جب مشرکوں فوج یکبارگی حلہ بولنے کے ارادے سے بڑھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کی ہمتیں بڑھانے کے لئے بآوازِ بلند فرمایا: "اے لوگو! اس جنت کو حاصل کرنے کے لئے آگے بڑھو جس کی چوڑائی ساری کائنات کے برابر ہے"۔ عمیرؓ بن حمام انصاری بولے یا رسول اللہ! کیا جنت کی چوڑائی کائنات کے برابر ہے؟ حضورؐ نے فرمایا ہاں! عمیرؓ یہ سُن کر بولے "واہ۔ واہ"! حضورؐ نے ان سے اس "واہ۔ واہ" کا سبب دریافت فرمایا تو جواب ملا: "حضورؐ! میں اس اُمید پر یہ لفظ کہہ رہا ہوں کہ شاید میں بھی اہلِ جنت میں سے ہو جاؤں حضورؐ نے فرمایا تو یقیناً جنت والوں میں سے ہے۔ اس پر حضرت عمیرؓ نے تھیلے میں سے کھجوریں نکالکر کھانا شروع کر دیں، لیکن فوراً ہی یہ کہکر کھجوریں پرے پھینک دیں کہ اگر میں ان کھجوروں کے کھانے تک زندہ رہوں تو دنیا میں یہ ایک لمبی زندگی ہو گی۔ پھر مشرکوں پر ٹوٹ پڑے اور لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔



جنّت کی خُوشبُو

حضرت انس رضؓ بن نضر جنگ بدر میں کسی مجبوری کے باعث شامل نہیں ہو سکے تھے اور انہیں اس غیر حاضری کا سخت قلق تھا۔ چنانچہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم سے اپنے رنج و غم کا اظہار اس طرح کیا کہ حضور! کتنے افسوس کا مقام ہے میں اسلام اور کُفر کی پہلی لڑائی میں شامل نہ ہو سکا۔ اب اگر اللہ تعالیٰ مجھے جہاد کا موقعہ دے تو اپنے دل کے ارمان نکالوں گا۔ جنگ اُحد میں یہ صاحب شامل تھے۔ جب کفّار کے دوطرفہ اچانک حملے سے اہلِ اسلام کی صفیں ٹوٹ گئیں۔ حضورؐ زخمی ہو کر گر گئے اور منافقین نے آپ کی شہادت کی جھوٹی افواہ اڑا دی تو انسؓ میدانِ جنگ میں یُوں گویا ہوئے :-

"اے اللہ! میں مسلمانوں کی غلطی اور کمزوری کی وجہ سے معذرت چاہتا ہوں اور مشرکوں کے بُرے ارادوں سے اظہارِ نفرت کرتا ہوں۔" یہ کہا اور میدانِ جنگ میں کُود پڑے۔ دوسری

طرف سے سعدؓ بن معاذ آ رہے تھے۔ انسؓ نے انہیں کہا:
اے سعد آؤ جنت میں چلیں۔ خدا کی قسم، مجھے اُحد پہاڑ کے درے سے جنت کی خوشبو آ رہی ہے۔ انسؓ نے یہ کہہ کر اس زور کا حملہ کیا کہ مشرکین کی صفیں اُلٹ دیں اور داد شجاعت دیتے ہوئے خود بھی شہید ہو گئے۔

لڑائی کے بعد جب میدان سے اُن کا جسم اٹھایا گیا تو ان پر تیروں تلواروں اور نیزوں کے اسّی سے زیادہ زخم پائے گئے۔ مشرکوں نے ان کی لاش سے بھی انتقام لیا تھا۔ اور حلیہ بگاڑ ڈالا تھا۔ کوئی ان کے جسم کو پہچان نہ سکا۔ آخر اُن کی بہن نے ایک اُنگلی پر کسی خاص علامت سے ان کی لاش پہچانی۔ صحابہؓ کا بیان ہے کہ انسؓ ان لوگوں میں سے تھے جن کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ انھوں نے اللہ سے اپنے عہد کو نبھا دیا ہے:
مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ الآية



راہِ خدا میں یہ کوئی بڑی قربانی نہیں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا سید الشہداء حمزہ رضؓ جنگِ اُحد میں شہید ہوئے۔ مشرکوں نے اُن کی لاش کا حلیہ بگاڑ دیا تھا۔ ہندہ جگر خوار نے ان کے ہونٹ کٹوا دیئے۔ آنکھیں نکلوا دیں۔ ناک کان اور زبان کٹوا دی اور ان چیزوں کا ہار بنا کر گلے میں ڈالا تا کہ اس کی آتشِ انتقام ٹھنڈی ہو۔ اس نے ان کا جگر بھی نکال کر کھانے کی کوشش کی تھی۔ لیکن نگل نہ سکی تو باہر اُگل دیا تھا۔ جنگ ختم ہوئی تو حضورؐ کو اس واقعہ سے سخت صدمہ پہنچا۔ آپؐ نے حکم دیا کہ میری پھوپھی صفیہؓ کو اپنے بھائی کی لاش نہ دیکھنے دی جائے۔ وہ عورت ذات ہیں۔ مبادا بے صبری کریں حضرت صفیہؓ نے یہ سب سُن لیا تھا۔ باصرار حضورؐ سے اپنے بھائی کی لاش دیکھنے کی اجازت مانگی اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں حمزہؓ کے متعلق سب کچھ سُن چکی ہوں۔ لیکن راہ خدا میں

یہ کوئی بڑی قسم باقی نہیں ہے۔ آپ مجھے ان کی زیارت کی اجازت دیں۔ میں مسلم عورت ہوں، بے صبری نہیں کروں گی حضورؐ نے اجازت دی وہ لاش پر آئیں ان کے بیٹے زبیرؓ نے اپنے ماموں کی لاش سے چادر اٹھائی۔ حضورؐ نے شدتِ غم سے چہرہ دوسری طرف پھیر لیا۔ حضرت صفیہؓ نے بھائی کے جسم کو دیکھ کر صرف اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن پڑھا اور واپس چلی گئیں۔



ایک بے مثال شہید

جنگِ اُحد میں جب دونوں فوجیں لڑ رہی تھیں، گھمسان کا رن تھا، کان پڑی پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔ ایک نوجوان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگا: اے اللہ کے رسول! کیا میں اسلام لاؤں یا قتال کروں؟ آپ نے ارشاد فرمایا: اسلام لا، پھر قتال کر۔ چنانچہ وہ عین میدانِ جنگ میں مسلمان ہوا اور تلوار سونت کر میدان میں گھس گیا۔ جنگ ختم ہوئی تو ستر مسلم شہیدوں کی لاشیں میدان سے اٹھائی گئیں تو ان میں اس خوش قسمت انسان کی لاش بھی تھی۔ حضورؐ نے اس کے متعلق فرمایا اس نے عمل تھوڑا کیا اور اجر زیادہ پایا۔

صحابہؓ اس بے مثال شہید پر رشک کیا کرتے تھے۔ حضرت ابو ہریرہؓ اپنے شاگردوں سے پوچھا کرتے بتاؤ وہ کون سا شخص ہے جس نے ایک نماز بھی نہیں پڑھی اور سیدھا جنت میں چلا گیا؟ پھر خود ہی فرمایا کرتے کہ وہ اصیرم عبدالاشہل ہے۔ عبدالاشہل ان کی قوم کا نام تھا۔ ان کا اپنا نام عمروؓ بن ثابت اور لقب اُصیرم تھا!



شمعِ رسالت کا پروانہ

جنگ اُحد میں سب مسلمانوں میں افراتفری پھیل گئی تو حضرت طلحہؓ ان چند اصحاب میں سے تھے جو شمع رسالت کے گرد پروانوں کی طرح جمع تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت میں انہوں نے بیمثال شجاعت اور جانثاری دکھائی۔ حضورؐ کی طرف جو تیر آتا اسے اپنی ہتھیلی پر روکتے۔ برچھی اور تلوار کے وار کے سامنے اپنے سینے کو ڈھال بنا لیتے۔ اور اپنی مقدس تلوار سے کفار کے دل بادل کو ذاتِ رسالت سے پرے ہٹا دیتے۔ کفار کے تیروں تلواروں کے وار روکتے روکتے ہاتھوں کی انگلیاں کٹ گئیں۔ اور کچھ شل ہو گئیں۔ اس وقت بے اختیار زبان سے نکلا "حُسن" یعنی خوب ہوا۔

جب مشرکین کے حملوں کی شدت کم ہوئی تو حضرت طلحہؓ کو ایک اور عظیم سعادت نصیب ہوئی۔ وہ خود بھی زخموں سے چور چور تھے۔ لیکن سرکار کائناتؐ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس قدر خیال تھا۔ کہ اس حالت میں ہی حضورؐ کو اپنی کمر پر سوار کر کے جبلِ اُحد پر ایک محفوظ مقام پر لے آئے۔ لڑائی کے بعد ان کے جسم پر ستر سے

زاید زخم شمار کئے گئے ۔ آنحضورؐ نے اس جانبازی کے عوض "مخیر" کا لقب عطا فرمایا۔ جبکہ حضرت عمر فاروقؓ نے انہیں "صاحب اُحد" کا لقب اپنی طرف سے دیا۔ اور ہمیشہ اسی نام سے ان کو پکارا۔



دِلی مُراد

حضرت عامر بن فہیرہؓ ستر صحابہؓ کی ایک جماعت میں شامل ہو کر نجد میں تبلیغ کو گئے۔ جب یہ مقدس گروہ ___ کے مقام پر پہنچا تو مشرکین کی ایک کثیر جماعت نے اس پر حملہ کر دیا۔ سب نے جام شہادت پیا۔ حضرت عامر بن فہیرہؓ کی چونکہ ہمیشہ سے شہادت کی دلی خواہش تھی۔ وہ بھی حیار بن سلمٰی کے نیزہ کا شکار ہو کر شہادت کے رتبہ سے سرفراز ہوئے۔ جب حیار بن سلمٰی پوری قوت سے اپنا نیزہ حضرت عامر کی پشت پر مارا تو انہوں نے گرتے ہوئے بے ساختہ فرمایا: "اے رب کعبہ کی قسم! میں اپنی مراد کو پہنچ گیا۔"

حیار بن سلمٰی یہ فقرہ سن کر حیران رہ گیا، کفر کی تاریکی اس کے نہاں خانہ سے کافور ہو گئی۔ وہ فوراً مدینہ پہنچا۔ اور اس نے اسلام قبول کر لیا۔ اس کا بیان ہے کہ

جب عامرؓ نیزہ کھا کر گرے تو ان کی تڑپتی ہوئی لاش آسمان کی طرف بلند ہو گئی۔ کچھ دیر آسمان اور زمین کے درمیان معلق رہی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کوئی غیبی ہستی اُن کی تجہیز و تکفین کا بندوبست کر رہی ہے۔ کچھ دیر بعد جسدِ خاکی زمین پر رکھ دیا گیا۔



مردِ مومن کی موت

سنہ ۳ھ میں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے دس آدمیوں کی ایک جماعت کو کفّار کی نقل و حرکت کا پتہ چلانے بھیجا۔ مکّہ اور عسفان نامی مقام کے درمیان قبیلہ ہذیل کے لوگ چھپ کر اس جماعت پر حملہ آور ہوئے۔ سات آدمی موقع پر شہید ہو گئے اور تین کو انہوں نے لے جا کر مکّے کے بازار میں فروخت کر ڈالا۔ ان خُبیب بن عدی انصاری بھی تھے حارث بن عامر جو خُبیب کے ہاتھ سے جنگ بدر میں قتل ہوا تھا، اس کے بیٹوں نے اپنے باپ کا بدلہ لینے کے لیئے اُنھیں خرید لیا اور ہاتھوں میں ہتھکڑیاں، پاؤں میں بیڑیاں ڈال کر ایک اندھیری کوٹھڑی میں قید کر دیا۔ کئی ماہ تک قید کی سختیاں برداشت کرتے رہے۔ آخر مشرکین مکّہ نے اُنہیں مکّے سے باہر لیجا کر تنعیم کے مقام پہ برسرِ عام پھانسی دیدی۔ قتل سے پہلے اُنہوں نے اس خواہش کا اظہار فرمایا کہ مجھے دو رکعت نماز پڑھ لینے دو! اجازت ملنے پر

پڑھی اور جلد فارغ ہو کر فرمایا: "جی تو چاہتا تھا کہ نماز لمبی کروں لیکن اس لئے مختصر کر دی ہے کہ کہیں تم یہ نہ سمجھو کہ مسلمان موت سے ڈر گیا ہے" جب انہیں پھانسی کی طرف لیجایا جا رہا تھا تو بلند آواز سے یہ شعر پڑھ رہے تھے:

ـــه فلست اُبالی حین اُقتل مُسلماً   علی ایّ شقّ کان للّٰہِ مصرعی

وذالک فی ذات الالٰہ وان یشأ   یبارک علی اوصال شلوٍ ممزّعِ

"جب میں حالتِ اسلام میں قتل ہو رہا ہوں تو یہ پروا نہیں کہ کس پہلو پر گروں گا۔ میرا قتل راہ خدا میں ہے۔ وہ چاہے گا تو میرے جسم کے کٹے ہوئے ٹکڑوں پر برکت نازل کر دیگا!"

حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو خبیبؓ کے واقعۂ قتل کی اطلاع دی تو حضورؐ نے فرمایا: "اے خبیب تجھ پر سلام"! خبیبؓ نے پھانسی چڑھتے وقت اپنا مُنہ قبلہ کی طرف پھیر لیا تھا۔ مشرکوں نے شہادت کے بعد لاکھ کوشش کی کہ ان کا مُنہ دوسری طرف پھیر دیا جائے مگر ناکام ہوئے۔ جو چہرہ قبلہ کی طرف پھر چکا تھا، اسے کسی دوسری طرف کیونکر پھیرا جا سکتا تھا؟



نوجوانوں کا جذبۂ سرفروشی

رافع رضؓ بن خدیج انصاری جنگ بدر میں چھوٹی عمر کے باعث شامل نہ کئے گئے تھے۔ اگلے سال وہ پھر بڑے ذوق وشوق سے حضورؐ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش ہوئے۔ اُن کی عُمر اس وقت پندرہ (۱۵) سال تھی۔ اب کی بار اجازت مل گئی تو وہ بہت خوش ہوئے۔ اور مجاہدین اُحد کی صف میں شامل ہو گئے۔ سمرہؓ بن جندب بھی لڑکوں کی صف میں تھے اور بوجہ صغیر السن ہونے کے حضورؐ نے اُنھیں فوج میں شامل ہونے سے روک دیا تھا۔ انہوں نے جب دیکھا کہ رافع رضؓ کو اجازت مل گئی ہے۔ تو حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یارسُول اللہ! آپ نے رافع کو بھرتی کر لیا ہے اور مجھے فوج میں شامل ہونے سے منع فرما دیا ہے حالانکہ میں انہیں کُشتی میں بچھاڑ لیتا ہوں۔ حضورؐ نے دونوں لڑکوں کا مقابلہ کرایا۔ سمرہ بن جندب اگرچہ دیکھنے

میں چھوٹے نظر آتے تھے مگر انھوں نے رافع کو پچھاڑ دیا اور
انہیں بھی مجاھدین میں شامل ہونے کی اجازت مل گئی۔
میدان میں ان دونوں نے بڑی شجاعت اور مہارتِ جنگ کا
ثبوت دیا۔ رافعؓ بن خدیج اس جنگ میں زخمی ہوئے۔ تیر سے
سینے کی ہڈی ٹوٹ گئی اور نوک جسم میں ہی رہ گئی۔ حضورؐ نے
ارشاد فرمایا میں میدانِ حشر میں تمہارے حق میں شہادت دونگا۔
تیر کی یہی نوک ایک عرصہ کے بعد اُن کی وفات کا سبب بنی۔



حُبِّ رسولؐ کی حقیقت

انصاری مبلّغین اسلام کی اس جماعت کے
زیدؓ بن وثنہ فرد تھے جنھیں مشرکوں نے دھوکے سے
اپنے علاقے میں لے جاکر شہید کر ڈالا تھا۔ اس جماعت میں
سے حضرت خُبیبؓ اور زیدؓ کو مشرکین مکّہ کے ہاتھ بیچ دیا گیا تھا تاکہ
وہ مقتولین بدر کے انتقام میں انھیں قتل کریں۔ حضرت زیدؓ
کو جب شہید کرنے کے لئے قتل گاہ میں لے جایا گیا تو مشرکین
ہتھیار لے کر اُن کے گرد جمع ہو گئے اور اُنھیں ترسا ترسا کر
مارنے لگے۔ زیدؓ نے حیرت انگیز صبر و ثبات کا مظاہرہ
کیا۔ ابوسفیانؔ نے اُنھیں نیزہ مار کر کہا اے زیدؓ! اب تو تم
چاہتے ہو گے کہ تمھیں چھوڑ دیا جائے اور تمھاری بجائے محمدؐ
کی گردن اڑا دی جائے۔ حضرت زیدؓ نے اس کے اس قول پر
احتجاج کیا اور فرمایا۔ مجھے تمہارے نیزوں اور تلواروں نے
اتنی تکلیف نہیں پہنچائی جتنی اس طعن نے پہنچائی ہے۔

خُدا کی قسم میرے جسم کے ٹکڑے اڑا دیئے جائیں تب بھی میں ہرگز نہ چاہوں گا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاؤں مُبارک میں کانٹا چُبھے۔" ابوسفیان مشرکوں سے مخاطب ہو کر کہنے لگا: "واللہ! جتنی محبت محمدؐ کے ساتھیوں سے ہے اتنی دنیا میں کسی کو کسی سے نہیں۔" یہ کہا اور حضرت زیدؓ کو شہید کر دیا۔



مَیں نے اپنا عہد پُورا کر دیا ہے

سعدؓ بن ربیع انصاری جنگ اُحد میں زخمی ہو کر گرے۔ جب مشرکین کا طوفان تھما تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی ہے جو سعد بن ربیع کی خبر لائے ؟ حضرت ابی بن کعب میدان میں پہنچے اور سعدؓ کا نام لے کر بآواز بلند پکارا۔ جواب میں ایک کمزور سی آواز آئی کہ "میں شہداء کی لاشوں میں ہوں"۔ حضرت ابیؓ نے قریب جا کر دیکھا تو دم توڑ رہے تھے۔ حضرت ابیؓ سے فرمایا کہ رسول اللہ سے میرا سلام کہنا اور میری قوم ۔۔۔ انصار ۔۔۔ کو میرا پیغام پہنچا دینا کہ میں نے اللہ کے جو عہد کیا تھا اُسے نبھا دیا ہے۔ اگر تم لوگوں کی زندگی میں خدانخواستہ حضورؐ کو تکلیف پہنچی تو فردائے قیامت میں خدا کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہو گے یہ کہا اور شہید ہو گئے۔

ابی بن کعبؓ نے ان کا سلام حضورؐ کی خدمت میں پہنچایا اور سارا ماجرا کہہ سنایا۔ حضورؐ نے فرمایا خدا ابن ربیع پر رحم کرے۔ انہوں نے زندگی اور موت دونوں حالتوں میں خدا و رسول کی خیر خواہی کا حق ادا کر دیا ہے !

مجھے صرف اللہ کی پناہ کافی ہے

عاصمؓ بن ثابت انصاری بڑے بہادر صحابی تھے۔ جنگِ بدر میں انہوں نے عقبہ بن ابی معیط کو قتل کیا جس نے مکّے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کو بہت دکھ دیا تھا۔ جنگِ اُحد میں مسافع بن طلحہ اور حارث بن طلحہ جیسے دشمنانِ اسلام کو جہنّم واصل کیا۔ کفّار مکّہ ہمیشہ اُن کی تاک میں رہتے تھے تاکہ اُن سے اپنے سرداروں کے قتل کا بدلہ لیں۔ جنگِ اُحد کے بعد حضورؐ نے کفّار کی نقل و حرکت کا پتا چلانے کیلئے دسؔ آدمیوں کی ایک جماعت بھیجی۔ اُن کے امیر حضرت عاصمؓ تھے۔ عُسفان اور مکّے کے درمیان ہدّہ نامی مقام پر کفّار کے قبیلہ بنو لحیان کو ان کی آمد کی خبر ہو گئی اور مشرکوں نے سَو تیر انداز انھیں گرفتار کرنے کو بھیجے۔ حضرت عاصمؓ اپنے ساتھیوں کو لے کر ایک پہاڑی پر چڑھ گئے۔ مشرکین نے اُن کا محاصرہ کر لیا۔ کچھ دیر مقابلہ ہوا۔ پھر کفار نے جان بخشی کا وعدہ کرتے اُن حضرات سے کہا کہ اگر تم پناہ مانگ کر نیچے اُتر آؤ تو تمہیں کوئی گزند نہیں پہنچے گا۔ عاصمؓ نے پکار کر کہا کہ ”میں کسی کافر کی پناہ میں آنا نہیں

نہیں چاہتا۔ میرے لئے اللہ کی امان کافی ہے۔

اے اللہ! اپنے رسولؐ کو ہمارے حال کی خبر کر دے۔"

اس پر کفار نے شدید تیر اندازی کی جس سے عاصمؓ سمیت سات صحابہؓ شہید ہو گئے۔ کفارِ قریش کو خبر ہوئی تو بہت خوش ہوئے اور آدمی بھیجے کہ عاصمؓ کی لاش لائیں تاکہ اسے جلا کر آتشِ انتقام کو ٹھنڈا کریں۔ اور اُن کی کھوپڑی کو مسافع اور حارث کی ماں کے ہاتھ فروخت کریں، جس نے منت مان رکھی تھی کہ اگر عاصمؓ کا سر ملے گا تو اُن کی کھوپڑی میں شراب پیئے گی۔

عاصم نے شہادت کے وقت دُعا کی تھی کہ خدایا! کوئی مشرک میرے جسم کو نہ چھوئے۔ غرض کفار کے بھیجے ہوئے آدمی اُن کی لاش لینے آئے، لیکن شہد کی مکھیاں اس کثرت سے وہاں پائی گئیں اور انہوں نے اُن لوگوں کو اتنا پریشان کیا کہ مقصد میں کامیابی نہ ہوئی۔ اُنھوں نے رات کا انتظار کیا کہ مکھیاں ہٹ جائیں گی تو سر کاٹ کر لے جائیں گے، لیکن اتنے زور کی بارش ہوئی کہ ان کا جسمِ پاک سیلاب میں بہہ گیا اور مشرکوں کے ہاتھ کچھ نہ آیا۔۔۔



شہید زندہ ہیں!

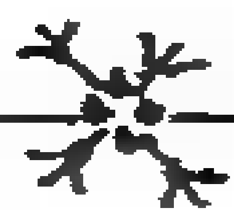
مشہور صحابی حضرت جابرؓ کے والد عبداللہ جنگِ اُحد میں شہید ہوئے۔ جنگ سے پہلے عبداللہ نے اپنے بیٹے جابرؓ کو بُلا کر فرمایا: "بیٹا میرا دل کہہ رہا ہے کہ اس جنگ میں سب سے پہلے میں شہید ہوں گا۔ میرے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے زیادہ عزیز تم ہو۔ تمہیں میں گھر پہ چھوڑ تا ہوں۔ میرا قرض ادا کر دینا اور اپنی بہنوں سے میرے بعد اچھا سلوک کرنا۔"

چنانچہ حضرت عبداللہؓ نے معرکۂ کارزار میں دادِ شجاعت دیتے ہوئے شہادت حاصل کی۔ مشرکوں نے اُن کی لاش کا حُلیہ بگاڑ دیا تھا، جس سے ان کے رشتہ داروں، بالخصوص بہنوں اور بیٹیوں کو بہت غم ہوا۔ حضورؐ نے یہ فرما کر اُنہیں تسلّی دی کہ عبداللہؓ کے جنازے پر فرشتے سایہ کئے ہوئے ہیں۔ جابرؓ کو والد کی شہادت کے علاوہ اس بات کا بھی غم تھا کہ وہ کئی بچے چھوڑ گئے تھے، جن کی ذمہ داری جابرؓ پر آپڑی تھی اور ان کا قرض بھی اُنہی کو ادا کرنا تھا۔ حضورؐ نے جابر سے فرمایا: ایک خوشخبری سنو۔ خدا تعالےٰ کسی سے بے پردہ گفتگو نہیں کرتا، لیکن تمہارے باپ

کی شہادت بعد اللہ تعالیٰ نے اُس سے براہ راست گفتگو فرمائی اور
فرمایا جو مانگو گے دیا جائیگا۔ تمہارے باپ نے کہا میری تمنا ہے کہ ایک مرتبہ
دنیا میں جاکر پھر تیری راہ میں شہید ہو جاؤں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ ممکن
نہیں کہ دنیا سے آنے والے کو پھر واپس کیا جائے۔ عبداللہؓ نے عرض کی
کی پھر میرے متعلق کچھ وحی بھیج دیجیے۔ چنانچہ قرآن پاک کی یہ آیت
نازل ہوئی۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ
اَحْيَآءٌ الآیہ یعنی اللہ کی راہ میں قتل ہونے والے مردہ نہیں
بلکہ زندہ ہیں۔

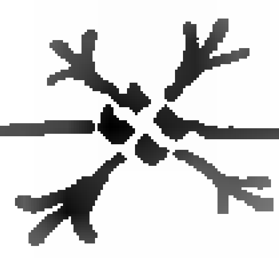
حضرت عبداللہؓ کو ایک اور صحابی سمیت ـــــ جو اُن کے بھائی
تھے ـــــ ایک ہی چادر میں ایک قبر میں دفنایا گیا تھا۔ چھ ماہ کے بعد
جابرؓ نے انھیں اس قبر سے نکال کر دوسری قبر میں دفن کیا کان کے سوا
سارا جسم صحیح سالم تھا۔ یوں معلوم ہوتا تھا گویا ابھی دفن ہوئے ہیں۔
اس واقعہ کے ۴۶ برس بعد ایک سیلاب آیا، جس سے اُن کی
قبر کھل گئی۔ دیکھا گیا کہ ان کی لاش بالکل صحیح حالت میں باقی تھی ـــــ



لنگڑے صحابی کا شوقِ شہادت

عمرو رضؓ بن جموح کو جنگِ بدر میں اس لئے شامل ہونے کی اجازت نہ ملی کہ وہ معذور تھے ۔ اُن کے پیر میں چوٹ آ گئی تھی اور لنگڑا کر چلتے تھے ۔غزوۂ اُحد میں پھر یہ میدانِ کار زار کو چلے تو ان کی اولاد نے روکا کہ آپ پر جہاد فرض نہیں ۔ عمروؓ بولے کہ تم لوگوں نے مجھے بدر جانے سے روکا اب پھر روک رہے ہو، لیکن میں ضرور جاؤں گا ۔ان کے بیٹوں نے یہ معاملہ دربارِ رسالت میں پیش کیا ۔حضورؐ نے بلا کر سمجھایا کہ تم معذور ہو لہذا تم پر جہاد فرض نہیں ۔ان کے سر پہ شہادت کا سودا سوار تھا ۔عرض کیا یا رسول اللہ! یہ لڑکے مجھے آپ کے ساتھ چلنے سے روک رہے ہیں لیکن خدا کی قسم! مجھے امید ہے کہ میں اسی لنگڑے پیر سے جنت میں گھسیٹتا ہوا پہنچوں گا ۔حضورؐ نے ان کا یہ جذبہ دیکھا تو زیادہ زور سے منع فرمانا مناسب نہ سمجھا اور لڑکوں کو سمجھایا کہ اب تم اصرار نہ کرو، شاید ان کی قسمت میں شہادت ہی لکھی ہو! حضرت عمرو رضؓ بن جموح

نے ہتھیار لے کر جب میدانِ جنگ کا رُخ کیا تو دعا کی: خدایا! اب مجھے شہادت نصیب کر اور اب زندہ گھر واپس نہ لا۔ ان کی دعا مقبول ہوئی۔ جب کفّار کے دو طرفہ حملے سے مسلمانوں میں انتشار پھیل گیا تو عمرؓو نے اپنے بیٹے خلاّد کو ساتھ لے کر مشرکوں پر ایک زوردار حملہ کیا اور لڑ کر دونوں باپ بیٹوں نے شہادت پائی۔ حضورؐ نے جب شہداء اُحد کے جسموں میں ان کی لاش دیکھی تو فرمایا: اللہ تعالیٰ اپنے بعض بندوں کی قسم پوری کر دیتا ہے۔ عمرؓو بن جموح انھی میں سے ہیں اور میں جنت میں ان کو اسی لنگڑے پاؤں کے ساتھ جاتا ہوا دیکھ رہا ہوں"!



خدائے محمدؐ زندہ ہے

جنگِ اُحد میں بعض مسلمانوں کی غلطی سے جنگ کا پانسہ پلٹ گیا اور واضح فتح ایک عارضی شکست میں تبدیل ہو گئی، مجاہدین کی صفیں ٹوٹ گئیں، ستر قیمتی جانیں ضائع ہو گئیں اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی زخمی ہو کر ایک گڑھے میں گر گئے تو کفار نے خوشی کے نعرے بلند کئے اور ان میں سے کسی نے باآوازِ بلند اعلان کر دیا کہ اَلَا اِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ قُتِلَ۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم شہید کر دیئے گئے ہیں۔ صحابہؓ جیسی جان نثار جماعت پر اس ناگہانی خبرِ بد کا جو اثر ہوا وہ بیان سے باہر ہے۔ بعض حضرات ہتھیار چھوڑ بیٹھے کہ اب لڑنے سے کیا فائدہ؛ جس کے سامنے اور جس کے جھنڈے تلے دادِ شجاعت دیتے تھے، جب وہی نہ رہا تو اب لڑائی بے سود ہے! لیکن کچھ دوسرے حضرات نے جان نثاری اور دادِ شجاعت کی وہ مثالیں قائم کیں جو رہتی دنیا تک اہلِ ایمان کے لئے مشعلِ راہ کا کام دیں گی۔ انہی مجاہد حضرات میں سے ایک ثابت بن دحداح

بھی تھے۔ جب مسلمانوں کے پاؤں اُکھڑے اور صفوں میں انتشار پیدا ہوا تو اُنھوں نے آگے بڑھ کر انصار کو آواز دی۔ "اے انصار! اِدھر آؤ! اِدھر آؤ! یہ دیکھو میں ثابتؓ بن دحداح ہوں۔ اگر محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو چکے ہیں تو خدائے محمدؐ تو زندہ و پائندہ ہے۔ آؤ دین کے لئے سر دھڑ کی بازی لگا دیں۔ خدا ہمیں فتح سے سرفراز کرے گا"۔ ان کی اس آواز پر کچھ انصار ان کے گرد جمع ہو گئے اور انہوں نے کفّار پر ایک بے پناہ حملہ کیا۔ ثابتؓ بن دحداح ایک تیر کھا کر گرے۔ اُنہیں زخمی حالت میں میدان سے لایا گیا۔ عارضی طور پر زخم اچھا ہو گیا۔ لیکن تین سال کے بعد پھر کھل گیا اور ان کی وفات کا سبب بنا۔



علمبردارِ اسلام کی شانِ استغنا

مُصعبؓ بن عمیر ایک جلیل القدر صحابی تھے۔ ماں باپ کے لاڈلے فرزند تھے اور سیر و شکار کا بڑا شوق تھا۔ روزانہ نئی پوشاک پہن کر نوکروں اور شکاری جانوروں کے جلو میں بڑی شان و شوکت سے شکار کو جایا کرتے تھے۔ اتفاقاً حضورؐ سے ملاقات ہوگئی۔ سعادت نے ہاتھ پکڑا اور اسلام قبول کر لیا۔ ماں باپ نے گھر سے نکال دیا اور برادری نے قطع تعلق کر لیا۔ انھوں نے ہر مرحلے میں ایمانی جرأت کا ثبوت دیا۔ حضورؐ نے انھیں مبلّغ و معلّم کی حیثیت سے اپنی تشریف آوری سے پہلے مدینے روانہ فرمایا۔ مصعبؓ کے اخلاص اور جدوجہد سے تھوڑی سی مدت میں سارا مدینہ اسلام کی آغوش میں آگیا۔ حضورؐ مدینے تشریف لائے تو اُن کی سادہ پوشاک دیکھ کر آپؐ کی آنکھوں سے آنسو بہہ گئے۔ جنگ اُحد میں اسلامی فوج کا جھنڈا انہی کے ہاتھ میں تھا۔ بڑی جانبازی اور دلیری سے اپنے فرض کو ادا کیا اور شہید ہو گئے۔ جسم کا سارا

لباس تار تار ہو چکا تھا۔ دفن سے قبل ان کے لئے کفن کا انتظام ضروری تھا، لیکن اس مردِ حق کی شانِ بے نیازی ملاحظہ کرو۔ کہ شہادت کے بعد بھی استغنا کا اعلیٰ نمونہ پیش کر گئے۔ کفن کے لئے جو چادر میسّر آئی وہ اتنی تھی کہ سر ڈھانکتے تو پاؤں کھُل جاتے۔ پاؤں ڈھانپتے تو سر ننگا ہو جاتا۔ آخر حضورؐ کے حکم سے سر ڈھانک دیا گیا اور پاؤں پر گھاس پھُوس ڈال کر اس شہیدِ بے نیاز کو قبر کے سپُرد کر دیا گیا۔

اس خونچکاں کفن میں ہزاروں بناؤ ہیں
پڑتی ہے آنکھ تیرے شہیدوں پہ حُور کی!



یہ تیرے پُراسرار بندے

غزوۂ اُحد کے بعد بھی قریش مکہ کو اتنی ہمت نہ ہوئی تھی کہ مدینے کا رُخ کرتے، تاہم اُن کا خیال کہ تھا کہ اس غزوہ میں اہلِ ایمان کو جو نقصان اٹھانا پڑا ہے، وہ اس سے بددل ہو جائیں گے اور اسلام کی ترقی خود بخود رُک جائے گی۔ لیکن اُنھیں یہ دیکھ کر تشویش ہوئی کہ نورِ حق پھیلتا جا رہا ہے۔ بالآخر اُنھوں نے اُن لوگوں کو امداد کے لئے پکارا جو کسی نہ کسی سبب سے اسلام کے دشمن تھے، اور بہت سے لشکر بیک وقت مدینے کی طرف بڑھنے لگے۔

ہادیٔ برحق کو اس شیطانی یلغار کی اطلاع ملی تو مسجد نبویؐ میں صحابہؓ کو جمع کیا اور اُنہیں یہ خبر سُنا کر مشورہ طلب کیا۔ اس مجلس میں سلمانؓ فارسی بھی شریک تھے۔ انہوں نے عرض کیا کہ اس مرتبہ کفار کا لشکر بہت بھاری ہے، میدان میں نکل کر کرنا غازیوں کی جانیں گنوانے کے مترادف ہے۔ ایسے مواقع پر ایران میں خندق کھود کر مدافعت کی جاتی ہے۔ آپ اگر پسند

فرمائیں تو یہی تدبیر اختیار فرمالیں۔ آنحضرت صلعم نے اس رائے کو پسند فرمایا۔ مدینہ تین اطراف سے مسلسل دیواروں، باغات اور گھنے درختوں سے گھرا ہوا تھا اور وہاں سے اچانک یلغار نہیں ہو سکتا تھا۔ صرف شمال کی جانب سے غیر محفوظ تھا۔ اس لئے وہاں پر خندق بنانے کا پروگرام بنا لیا گیا۔ صحابہ کرام کو دس دس کے گروہوں میں تقسیم کر دیا۔ اور ہر گروہ کو دس گز زمین خندق کھودنے کی ذمہ داری سونپی گئی۔ خود آنحضرت صلعم بھی انہی مزدوروں کے ایک گروہ میں شامل تھے اور سب کے ساتھ دفاعی خندق کھودنے میں مصروف تھے۔ اور ذیل کا شعر گنگنا رہے تھے ؎

اَللّٰھُمَّ اِنَّ الْعَیْشُ الْاٰخِرَۃ   فَاغْفِرْ لِلْاَنْصَارِ وَالْمُھَاجِرَہ

اے ہمارے اللہ! بے شک آرام آخرت ہی کا آرام ہے۔ پس اے اللہ تو انصار و مہاجرین کو بخش دے۔

اور مومنین یہ شعر پڑھتے تھے ؎

نَحْنُ الَّذِیْنَ بَایَعُوْا مُحَمَّدًا   عَلَی الْجِھَادِ مَا بَقِیْنَا اَبَدًا

ہم نے خدا کی راہ میں جہاد کی خاطر   اپنے آپ کو محمدؐ کے ہاتھ بیچ دیا ہے،

بیس دن اور بیس راتیں مسلسل یہ پُر اسرار بندے اس مشقت میں مصروف رہے۔ اس دوران میں ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ صحابہ کے ایک گروہ کے سامنے ایک سخت پتھر آگیا، جس کو توڑنا

مشکل اور سالم نکالنا ناممکن تھا۔ انہوں نے باقی سب کو بھی اپنی اس مشکل کو حل کرنے کے لئے بلایا۔ سب نے باری باری قوت آزمائی کی۔ بالآخر نڈھال ہو کر حضورؐ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنے پیٹ پر سے کپڑا اٹھا کر حضورؐ کی خدمت میں عرض کی، کہ آپ کے غلام بھوک سے نڈھال ہو رہے ہیں۔ یہ دیکھیے پیٹ پر پتھر باندھے ہوئے ہیں۔ اس لئے یہ پتھر ان کی قوت سے باہر ہو گیا ہے۔ سرورِ کونین نے اپنے پیٹ سے کپڑا اٹھایا تو اس پر دو پتھر بندھے ہوئے تھے، جو اس بات کی دلیل تھی کہ آپ نے کئی روز سے کچھ نہیں کھایا۔ اس کے باوجود کسی کو اس کا احساس تک نہ ہو سکا تھا۔ اس سے صحابہ کے حوصلے بلند ہو گئے۔ اُن کے قائد نے کدال خود سنبھال لیا اور اس پتھر کی جانب چل پڑے۔ صحابہ کی جماعت ساتھ ساتھ روانہ ہوئی۔

فاقہ مستوں کی یہ جماعت جو جسمانی قوت میں نڈھال اور روحانی قوت سے مالا مال تھی، پتھر کے پاس پہنچی تو اُن کے قائد نے کدال سے ایک بھرپور وار اس پتھر پر کیا۔ ایک شعلہ بلند ہوا اور حضورؐ نے ارشاد فرمایا "مجھے مملکتِ شام کی کنجیاں دی گئی ہیں، اور خدا کی قسم اس وقت شام کے سرخ محلات میرے سامنے ہیں"۔ مومنین کے لئے آخر کار فتح کی یہ پہلی خوشخبری تھی۔ آنحضرتؐ نے دوسری مرتبہ پھر پتھر پہ ضرب لگائی اور ایک اور شعلہ نکلا۔ آپؐ نے فرمایا "مجھے ملک

فارس دے دیا گیا ہے اور مدائن کے سفید محل مجھے صاف نظر آرہے ہیں۔" یہ اس عظیم سلطنت کی پیشین گوئی تھی جو مسلمانوں کے قبضے میں آنے والی تھی۔ اللہ کے حبیبؐ نے تیسری ضرب لگائی تو پتھر ریزہ ریزہ ہوگیا۔ گویا قوتِ روحانی کو فتح حاصل ہوئی تھی۔ آپؐ نے فرمایا "مجھے یمن کی کنجیاں بھی دیدی گئی ہیں۔ اور خدا کی قسم! صنعا کے دروازے مجھے اس وقت دکھائے جارہے ہیں"۔

خدا کے ان پُراسرار بندوں کے آہنی عزم نے خندق کھود کر تمام عساکرِ عرب کو مدینے میں داخل ہونے سے روک دیا اور کئی روز کے محاصرے کے باوجود وہ شہر پر قبضہ نہ کر سکے۔ اس طرح باطل کی کالی گھٹائیں جو مدینے پر اُمڈ آئی تھیں، نورِ حق کی تاب نہ لاتے ہوئے چھٹ گئیں اور اس کے بعد باطل کو حق کے خلاف جارحانہ کارروائی کی جرأت نہ ہوئی۔



تین سوال

باطل نے حق کو مٹانے کے لئے ایک بھرپور وار کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ یہودیوں اور قریش کے علاوہ غطفان، فزارہ، بنو سلیم، بنو اسد اور بنو سعد بھی مدینے سے نورِ حق کو بجھانے کے لئے آ گئے تھے۔ مومنین نے خندق کھود کر تیر انداز مقرر کر دیئے تھے۔ تاکہ اگر کوئی خندق کو عبور کرنے کی کوشش کرے تو تیروں سے اس کا استقبال کیا جائے۔ شیطانی لشکر کے معزز شہسواروں نے خندق کو عبور کرنے کی جتنی مرتبہ کوشش کی، ناکام بنا دی گئی۔ بالآخر قریش کے شہسواروں کے مشہور دستے نے ایک تنگ مقام تاڑ لیا۔ ابوجہل کے بیٹے عکرمہ کی قیادت میں یہ سوار دستہ لات و ہبل کی جے پکارتا ہوا اس طرف بڑھا۔ قریشی شہسوار نسلی تفاخر کے نعرے بلند کرتے ہوئے اس زعم میں بڑھ رہے تھے کہ تھوڑی دیر میں وہ خندق پار کر کے توحید کے علمبرداروں کا صفایا کر دیں گے۔

مومنین نے دور سے دیکھا کہ کفّار کا دستہ شور مچاتا اور گھوڑے دوڑاتا ہوا آ رہا ہے۔ انہوں نے اللہ کا نام لے کر تیر برسانا شروع کر دیئے، لیکن شہسواروں کے اس سیلاب کو تیر نہ روک سکے۔ تاہم خندق کے کنارے پہنچ کر گھوڑوں کو جست لگانے کی ہمت نہ ہوئی اور وہ کنارے پر ہی ٹاپتے رہ گئے۔ صرف چار سوار اس ارادے میں کامیاب ہوئے، جن میں عرب کا مشہور پہلوان عمرو بن عبدِ وُدّ بھی تھا۔ جس کو ہزار سواروں کے برابر سمجھا جاتا تھا۔

عمرو بن عبد ود نے جب دیکھا کہ باقی سوار خندق عبور کرنے میں ناکام رہے ہیں اور چار آدمی اسلامی لشکر کا مقابلہ نہیں کر سکتے تو اس نے مسلمانوں کو للکارا کہ "میں ہوں ابن عبدِ وُدّ جس کو ہزار سواروں سے زیادہ طاقتور سمجھا جاتا ہے۔ ہے کوئی تم میں سے جو میرے مقابلے پر آئے" جواب میں شیر خدا علی پکارے "میں ہوں" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے روکا "علی یہ عمرو بن عبدِ ود ہے" جناب حیدرؓ دربارِ رسالت اشارے پر چپ ہو رہے۔ عبد ود پھر پکارا "ہے کوئی تم میں سے جو میرے مقابلے پر آئے" پھر صرف ایک ہی آواز گونجی "میں ہوں محمدؐ کا غلامؐ"۔ نبی اکرمؐ نے پھر ٹوکا۔ تیسری مرتبہ پھر یہ کافر پکارا "ہے تم میں سے کسی میں میرے مقابلے پر آنے کی ہمت؟" اللہ کے شیر کی آواز پھر فضا میں گونجی

"میں ہوں، علی ابنِ طالب، جو تمھیں جہنم رسید کرے گا"
آنحضرت صلعم نے پھر وہی الفاظ دہرائے "علیؓ! تم جانتے ہو مقابلے پہ کون ہے؟" سرکارِ دوعالم! میں اسے پہچانتا ہوں۔ یہ ابلیس عبدود ہے" اللہ کے رسولؐ نے بے اختیار اسداللہ کی پیشانی چوم لی۔ اور دستِ مبارک سے آپ کے سر پہ عمامہ باندھ کہ تلوار عنایت فرمائی اور فتح و نصرت کی دعا دے کہ میدان میں جانے کی اجازت بخشی۔

ابن عبدود علیؓ ابنِ طالب کے نام سے خوب واقف تھا بدر و احد میں ان کی تلوار کی کاٹ آزما چکا تھا۔ اس لئے نام سن کر اس کا ماتھا ٹھنکا۔ شیرِ خدا نے پکار کر کہا "سنا ہے تو اپنے حریف کو تین سوال کرنے کی اجازت دیتا ہے اور ان میں سے کم از کم ایک ضرور پورا کر دیتا ہے" عبدود نے کہا "تم نے ٹھیک سنا ہے۔ کہو کیا کہتے ہو" شیرِ خدا نے کہا "میرا پہلا سوال یہ ہے کہ تو اسلام قبول کرلے اور اس طرح دنیا و آخرت میں سرفرازی حاصل کرلے" اس نے نہایت تکبر سے جواب دیا "یہ نہیں ہو سکتا" حضرت علیؓ کا دوسرا سوال یہ تھا۔ پھر تو لڑائی سے واپس چلا جا۔ کبر و نخوت کے پتلے نے جواب دیا۔ "یہ نہیں ہو سکتا کہ میں قریشی عورتوں کے طعنے سنوں" حضرت علیؓ نے اس کے بعد پورے جوش سے تیسرا مطالبہ پیش کیا "تو پھر میرے مقابلے کے لئے تیار ہو جاؤ" ابن عبدود کے

لئے یہ مطالبہ بہت غیر متوقع تھا۔ اس کو آج تک کسی نے اس طرح مبازرت کے لئے نہیں پکارا تھا۔ اس کا خیال یہ تھا کہ علیؑ مجھ سے مرعوب ہو کر سوال کرنے پر اُتر آئے ہیں، لیکن وہاں تو داعیٔ حق اپنا فریضہ ادا کر رہا تھا۔ اُس نے ہنستے ہوئے نہایت متکبرانہ لہجے میں جواب دیا۔ "مجھے امید نہ تھی کہ اس آسمان کے نیچے کوئی شخص میرے یہ درخواست بھی پیش کرے گا۔ .... تو ابھی ناتجربہ کار ہے۔ ذرا اپنا اور میرا مقابلہ تو کیا ہوتا۔ میں عرب کا نامی پہلوان تو کل کا بچہ۔ میں سوار تو پیدل۔ میں بہترین ہتھیاروں سے مُسلّح تیرے تن پر نہ زرہ بکتر نہ خود۔ کیا تیرا زندہ رہنے کا ارادہ نہیں؟ اب بھی لوٹ جا اگر تجھے زندگی درکار ہے تو۔" اللہ کے شیر نے نہایت متانت سے مُسکراتے ہوئے فرمایا: "جو تیرے دل میں تھا تو نے کہہ لیا۔ تو نے صرف ظاہری قوت کا حساب لگایا مگر فیصلہ میرے خدا کے ہاتھ میں ہے۔ اب زیادہ باتیں نہ بناؤ اور میدان میں جوہر دکھاؤ۔"

ابن عبدود اپنا سا منہ لے کر دیکھ کر غصّے سے لال پیلا ہو گیا۔ گھوڑے سے اُترا اور اس کی کونچیں کاٹ دیں اور کہا "میں پیادہ کے خلاف سوار ہو کر لڑنا نہیں چاہتا، لے سنبھل میرا وار آیا ہے۔" یہ کہہ کر اس نے تلوار کا بھرپور وار کیا۔ شیرِ خدا نے اس وار کو ڈھال پر روکا، لیکن ڈھال کٹ گئی اور تلوار ان کی پیشانی کو زخمی کر گئی۔ زخمی شیر سنبھلا اور دوسرے ہی لمحے شمشیرِ حیدری ہوا میں بجلی کی طرح لہرائی اور ڈھال و زرہ کو کاٹتی ہوئی مغرور دشمن کے سینے میں جا پیوست ہوئی۔ سینہ کٹ گیا۔ زرہ بکتر کی کڑیاں

کے ساتھ شانہ بھی کٹ چکا تھا۔ اور مغرور انسان کی لاش کے ٹکڑے خاک پر تڑپ رہے تھے۔ مومنین نے جوش مسرت سے نعرۂ تکبیر بلند کیا اور خندق کے دوسرے کنارے سے گالیاں بکنے کی آوازیں آنے لگیں۔ شیرِ خدا کی پیشانی سے خون بہہ رہا تھا، لیکن زخمی شیر ان تین خونخوار بھیڑیوں پر جھپٹا جو ابن عبدود کے ساتھ خندق پار کر آئے تھے۔ جبیرۃ اور ضرار پوری تیزی سے جست لگا کر خندق کے دوسری طرف بھاگ گئے، لیکن نوفل خندق میں گر پڑا اور پکارا ''مسلمانو! مانا کہ اب مجھے مرنا ہی جانا ہے، لیکن میری آخری التجا مانو کہ کم سے کم مجھے شرافت کی موت مرنے دو۔''

مومنین کی صف میں سے زبیرؓ نکلے اور خندق میں کود پڑے۔ جاتے ہی اُسے پکارا ''لے میرا وار سنبھل''۔ اور یہ کہتے ہی تلوار کا ایک بھرپور وار کیا جو نوفل کے ساتھ اس کے گھوڑے کو بھی کاٹتا ہوا نیچے نکل گیا۔ اس کی ''شریفانہ موت'' کو دیکھ کر قریشی شاہ سوار اس قدر خوف زدہ ہوئے کہ گھوڑے دوڑاتے ہوئے واپس بھاگ گئے۔



حضرت صفیہؓ کی جانبازی

غزوۂ خندق کے دوران آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام خواتین کو ایک چھوٹے سے قلعے میں جمع کر دیا تھا تاکہ وہ محفوظ رہیں۔ اس قلعے میں خواتین اور بچوں کے علاوہ صرف حسانؓ بن ثابت تھے، جو ضعف و بیماری کی وجہ سے جنگ میں شرکت کے قابل نہ تھے۔ اس کے قریب ہی یہودیوں کے قبیلہ بنو قریظہ کی بستی تھی، جس کے ساتھ مسلمانوں کا معاہدہ تھا اس لئے ان سے مخالفت کی توقع نہ تھی، لیکن یہودیانہ فطرت نے اس قبیلے کو رزالت اور مکاری پر آمادہ کر دیا۔ یہ دیکھ کر کہ عرب کے تمام کافر قبائل بیک وقت چلے آئے ہیں، انھوں نے بھی غداری کا فیصلہ کر لیا۔ انہوں نے بظاہر تو صلح کو برقرار رکھا، لیکن اپنے جاسوسوں کو بھیجا کہ وہ عورتوں کی قیام گاہ کی فصیل میں کسی شگاف کی خبر لائیں تاکہ عورتوں پر اچانک حملہ کیا جائے۔

ظلم، مکاری اور غداری کی انتہا تھی جس کا منصوبہ بنایا جا رہا تھا

مسلمان خواتین میں سے بعض نے مسلّح افراد کو بنو قریظہ کی بستی سے نکلتے دیکھا تھا۔ اس لئے وہ محتاط ہوگئی تھیں سید الشہدا حضرت حمزہؓ کی ہمشیرہ اور جناب رسالتمآبؐ کی پھوپھی حضرت صفیہؓ نے اچانک ایک جاسوس کو دیکھا جو پرانے قلعے کے آس پاس چکر لگا رہا تھا۔ انہوں نے حضرت حسانؓ سے کہا کہ جاؤ اس یہودی کا سر کاٹ کر پرے پھینک دو تاکہ یہودی خوفزدہ ہو جائیں۔ لیکن حضرت حسانؓ نے جواب دیا "بی بی! میں اس کام کا ہوتا تو عورتوں کے ساتھ کیوں بند کیا جاتا۔" اس پر حضرت صفیہؓ نے خیمے کی ایک چوب نکالی اور باہر جا کر اُس یہودی کے سر پر اس زور سے ماری کہ اس کا سر پھٹ گیا اور وہ نیچے گر کر تڑپنے لگا۔ حضرت صفیہؓ نے دربارِ رسالت کے شاعر حضرت حسانؓ سے کہا جاؤ اس کا سر کاٹ کر پرے پھینک آؤ اور اس کے کپڑے اتار لاؤ۔ لیکن انھوں نے جواب دیا "نہ بی بی! مجھے اس کے کپڑوں کی ضرورت نہیں۔"

حضرت صفیہؓ نے خود ہی اس کا سر کاٹا اور اُسے دُور پھینک دیا جب باقی یہودی جاسوسوں نے اس کا کٹا ہوا سر اور لاشہ دیکھا تو اُنہوں نے جا کر اطلاع دی کہ اس قلعہ نما گڑھی کی حفاظت کے لئے بھی مسلمان مرد موجود ہیں۔ لہذا بنو قریظہ نے اس گڑھی پر حملہ کرنے کی جرأت نہ کی۔

❋

واللہ! میں کامیاب ہوں

ایک دفعہ کفّارِ عرب نے اپنی آتشِ انتقام بجھانے کے لئے ایک عجیب چال چلی۔ وہ مسلمان بن کر حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ارکانِ اسلام سیکھنے کا بہانہ کر کے آپ سے معلّمین کی ایک جماعت اپنے ساتھ لیجانے کا مطالبہ کیا۔ حضورؐ نے ستّر اہلِ صُفّہ کو اُن کے ساتھ بھیج دیا۔ جنگل میں جاکر ان غدّاروں نے مسلمانوں کی اس جماعت کو بڑی بیدردی سے ایک ایک کر کے ذبح کر ڈالا۔ ایک صحابی حرامؓ بن ملحان کو جب پیچھے سے نیزہ گھونپا گیا تو اُنھوں نے گرتے ہوئے فرمایا: "رَبِّ کعبہ کی قسم! میں کامیاب ہو گیا ہوں!!"

حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ ان مردانِ حق نے شہادت کے بعد ہمیں یہ پیغام بھیجا کہ اے پیغمبرِ خدا! ہم نے اللہ تعالیٰ سے ملاقات کی ہے۔ وہ ہم سے راضی ہے اور ہم اس سے راضی ہو چکے ہیں!

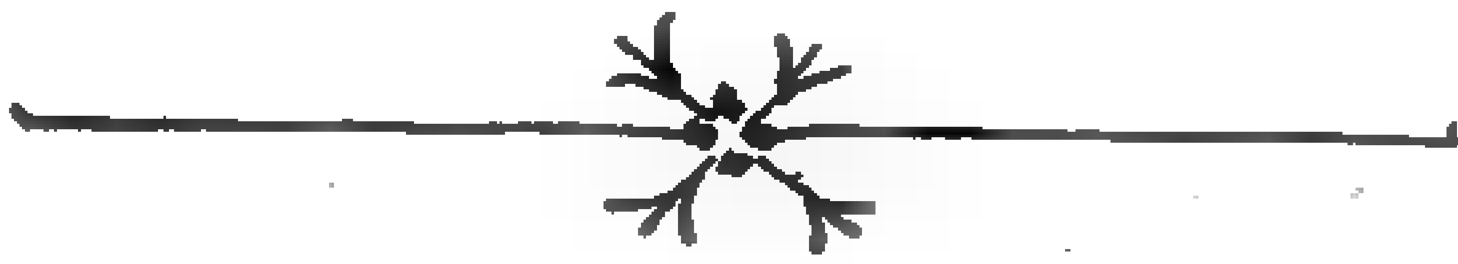


سچ کی جزا

ہجرت نبوی کے بعد ایک دفعہ ابو سفیان نے حضور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ منورہ میں شہید کرانے کا منصوبہ بنایا۔ اسی مقصد کے لئے عمرو بن امیہ کو منتخب کیا گیا، عمرو ایک خنجر کپڑوں کے نیچے چھپا کر ایک تیز رفتار اونٹ پر عازم مدینہ ہوئے چھٹے دن مدینہ کے قریب ظہر الحرہ کے مقام پر پہنچے اونٹ کو اسی مقام پر چھوڑا۔ اور خود پیدل رسول کریم کا پتہ پوچھتے پوچھتے سعد بنو عبد الاشہل میں پہنچے حضورؐ اس وقت اس مسجد میں صحابہ کرامؓ کے درمیان تشریف فرما تھے۔ آپؐ کی نگاہ عمرو پر پڑی۔ تو فرمایا "اس شخص کی نیت نیک معلوم نہیں ہوتی۔ حضرت اسید بن حضیرؓ انصاری فوراً مجلس سے اٹھے۔ اور عمرو کو گرفت میں لے لیا۔ ان کی تلاشی لی۔ تو فوراً کپڑوں سے خنجر برآمد ہوا۔ عمرو اب بہت گھبرائے اور واویلا کرنے لگے۔ حضورؐ نے

نہایت محبت سے پوچھا۔ "اے شخص سچ سچ بتا دے تو کون ہے۔ اور کس ارادے سے یہاں آیا ہے"

عمرو جلال نبوت سے پہلے ہی متاثر ہو چکے تھے۔ سچ سچ سارا واقعہ بتا دیا۔ حضور صلعم نے متبسم ہو کر فرمایا۔ تو نے سچ بولا ہے۔ جا تجھے جان کی امان دی جاتی ہے عمروؓ سرور کائنات کی شان کریمی دیکھ کر بے اختیار حضورؐ کے قدم مبارک پر گر پڑے۔ اور اسی وقت مشرف باسلام ہو گئے۔



شاعرِ اسلام کی شہادت

عبداللہ بن رواحہ وہ خوش قسمت صحابی تھے جن کے رجزیہ اشعار سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ خندق میں صحابہ کی آواز میں ملا کر پڑھے تھے ؎

اَللّٰھُمَّ لَوْلَا اَنْتَ مَا اھْتَدَیْنَا ‏ وَلَا تَصَدَّقْنَا وَلَا صَلَّیْنَا

فَاَنْزِلَنْ سَکِیْنَۃً عَلَیْنَا ‏ وَثَبِّتِ الْاَقْدَامَ اِنْ لَّاقَیْنَا

اِنَّ الْاُوْلٰی قَدْ بَغَوْا عَلَیْنَا ‏ اِذَا اَرَادُوْا فِتْنَۃً اَبَیْنَا

اے خدا! ہمیں ہدایت، نماز کی توفیق اور مال خرچ کرنے کی ہمت تو ہی نے عطا کی ہے۔ ہم پر اطمینان نازل فرما اور لڑائی میں ثابت قدم رکھ۔ اِن مشرکوں نے ہم پر زیادتی کی ہے۔ لیکن ہم اِن کے بد ارادوں کو ناکام بنا دیں گے!

غزوہ موتہ میں حضورؐ نے ۳ ہزار کا لشکر زید بن حارثہ کی قیادت میں رومیوں سے لڑنے کو بھیجا تھا اور فرمایا تھا کہ اگر زیدؓ شہید ہو جائیں تو جعفرؓ طیار امیرِ لشکر ہیں۔ اِن کے بعد عبداللہؓ بن رواحہ سردار رہیں۔

اور اگر وہ بھی شہید ہو جائیں تو مسلمان جسے چاہیں امیر چن لیں۔
صحابہؓ کو اسی وقت ان تین حضرات کی شہادت کا یقین ہو گیا تھا۔
حضرت زیدؓ اور جعفرؓ کے یکے بعد دیگرے میدانِ جنگ میں شہید ہو گئے
تو عبداللہؓ بن رواحہ یہ رجز پڑھتے ہوئے میدان میں کود پڑے ؎

یا نفس ان لم تقتلی تموتی ان تسلمی الیوم فلن تفوتی
او تبتلی فطالما عوفیت
ھذی حیاض الموت فقد خلت وما تمنیت فقد اعطیت

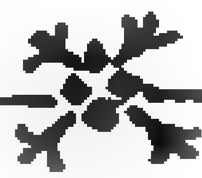
اے جان! اگر تو قتل نہ ہو تب بھی موت ناگزیر ہے۔ آج نہیں
تو کل مرنا ہی ہو گا۔ میدان جہاد کی آزمائش تیری تمنا کے عین مطابق ہے
زندگی کے حوض خالی ہو رہے ہیں اور تیری آرزو تجھے مل رہی ہے۔
یہ کہہ کر ایک زور کا حملہ کیا۔ کفار کی صفیں ٹوٹ گئیں، لیکن
خود شہید ہو کر میدان میں گر گئے۔ حضورؐ نے ان حضرات کی شہادت
کی اطلاع صحابہؓ کو دی اور ابن رواحہؓ کے نام پہ آپؐ کی آنکھیں
پُرنم ہو گئیں۔



مُنافق باپ کا مومن فرزند

عبداللہ ابن اُبی منافقوں کا سردار تھا۔ اُسے اسلام کی ترقی اور اہلِ اسلام کا عروج ایک آنکھ نہ بھاتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے اصحاب کو جو تکلیفیں اس سے پہنچیں، وہ اظہر من الشمس ہیں۔ وہ کوئی موقعہ ہاتھ سے نہ جانے دیتا جس سے اسلام اور اہلِ اسلام کو ضرر پہنچ سکنے کا احتمال ہوتا۔ لیکن خدا کی قدرت کا عجیب تماشہ ہے کہ اس کا بیٹا جو اس کا ہم نام ـــ عبداللہؓ ـــ تھا پکا مومن اور حضورؐ کا جاں نثار تھا۔ اس نے ہر موقع پہ جانسپاری اور فداکاری کے حیرت انگیز کارنامے سرانجام دیئے۔ جنگ اُحد میں زخمی ہوا اور اگلے دو دانت ٹوٹ گئے۔ ہجرت کے نویں سال عبداللہ بن اُبی نے تبوک کے راستے میں حضورؐ اور آپؐ کے اصحابؓ کو ذلیل اور اپنے جیسے منافقوں کو باعزت کہا تھا۔ جس سے مسلمان بہت سیخ پا ہوئے۔ عبداللہؓ نے کہیں سے سنا کہ حضورؐ نے اُن کے باپ کے قتل کا حُکم

دے دیا ہے ننگی تلوار لے کر خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا : حضورؐ ! میرے باپ نے آپ سے متعلق نامناسب الفاظ استعمال کئے، بخدا وہ خود ذلیل ہے۔ اگر آپؐ اسے قتل کرانا چاہتے ہیں تو یہ سعادت حاصل کرنے کی مجھے اجازت دیجئے۔ میں اس کی گردن لا کر حضورؐ کی خدمت میں پیش کر دیتا ہوں۔ حضورؐ نے فرمایا، ہم تمہارے باپ کو قتل نہیں کرانا چاہتے۔ حضورؐ کی محفل سے اُٹھ کر عبداللہؓ سڑک پر آ کھڑے ہو گئے۔ ان کا باپ گزرا تو اُسے پکڑ کر کہا اگر تم اقرار کرو کہ تم ذلیل اور محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم باعزت ہیں تو بہتر ورنہ میں تمہیں آگے بڑھنے نہ دوں گا۔ حضور ان کی گفتگو سن کر خود تشریف لائے اور باپ کو بیٹے کے چنگل سے چھڑایا۔

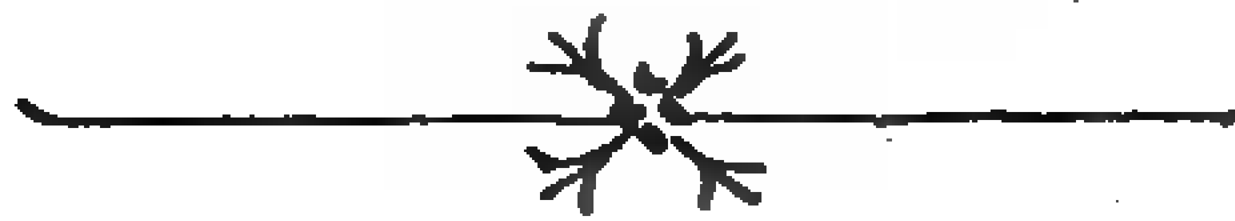


اللہ اور اللہ کے رسولؐ کے حکم کی سرتابی

حضرت جلیبیب انصاریؓ ظاہری حُسن سے یکسر محروم تھے۔ رسُولِ کریمؐ نے ایک پاک باطن لڑکی سے اُن کی نسبت ٹھہرادی۔ لڑکی کے والدین جلیبیبؓ کی کم روئی کی وجہ سے رشتہ دینے میں متذبذب ہوئے لڑکی نہایت زیرک اور سچی مسلمان تھی۔ اُس نے کہا۔ کہ چونکہ رسول اللہ صلعم نے یہ نسبت ٹھہرائی ہے مجھے بسروچشم قبول ہے۔ ایک مسلمان کی یہ مجال کہاں۔ کہ وہ اللہ اور اللہ کے رسولؐ کے حکم کی سرتابی کرے۔

حضورؐ نے جب اس لڑکی کے عشقِ رسول صلعم کا حال سُنا تو بہت مسرور ہوئے اور دُعا مانگی!

اُے اللہ! اس پر خیر کا دریا بہا دے اور اس کی زندگی کو بدمزا نہ کر۔ جب حضرت جلیبیبؓ اور اس لڑکی کی شادی ہوگئی تو اللہ نے اُن کی گھریلو زندگی کو جنّت بنا دیا اور وہ نہایت آسودہ حال ہوگئے۔



اہل و عیال کیلئے اللہ و رسولؐ کافی ہیں!

صحابہؓ کی جماعت میں ہر فرد حبِ رسولؐ کا منہ بولتا نمونہ تھا۔ لیکن اس ضمن میں جو امتیاز یارِ غار ابو بکر صدیقؓ کو حاصل ہؤا وہ انھی کا حصّہ تھا۔ خود حضورؐ نے ان کے مال و ایثار کی شہادت ان الفاظ میں دی ہے: "جتنا فائدہ مجھے ابو بکر کے مال سے پہنچا اور کسی سے اتنا فائدہ نہیں پہنچا" ایک مرتبہ ارشاد فرمایا: "مجھ پر جس کسی نے کوئی احسان کیا ہے میں نے اس کا بدلہ دنیا میں ہی چکا دیا ہے۔ اگر کسی کا کچھ میرے ذمّے آتا ہو تو اب لے لے۔ لیکن میں ابو بکرؓ کا بدلہ ادا نہیں کر سکتا۔ اس کا بدلہ میری طرف سے اللہ تعالیٰ میدانِ حشر میں چکائے گا" غزوۂ تبوک میں لشکر کی تیاری کے لئے حضورؐ نے چندے کا مطالبہ کیا۔ سب لوگ مقدور بھر لائے حضرت عمر فاروقؓ اپنے گھر کا سارا سامان دو حصّوں میں بانٹ کر ایک حصّہ خدمتِ نبویؐ میں لے کر آ حاضر ہوئے۔ حضرت عثمانؓ نے دو ہزار اشرفی نقد اور سینکڑوں اونٹ اور گھوڑے پیش کئے۔

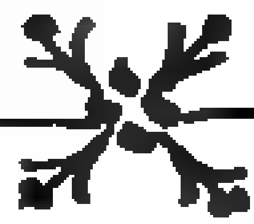
لیکن ابو بکرؓ کی شان نرالی تھی، وہ گھر کا سارا اثاثہ لے کر حاضر ہو گئے۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ گھر والوں کے لئے کچھ چھوڑ دیا ہوتا تو عرض کیا کہ ان کے لئے اللہ اور رسولؐ کی محبت چھوڑ آیا ہوں۔ حضرت عمرؓ اپنے جذبے کی مقدار دیکھ کر دل ہی دل میں خوش تھے کہ آج میں ابو بکرؓ سے بڑھ جاؤں گا، لیکن ان کا یہ انوکھا جواب سن کر فیصلہ کر لیا کہ آئندہ اس شخص سے کبھی مقابلے کی جرأت نہیں کروں گا۔ ایسے "گھر پھونک کر تماشا دیکھنے والے" کا مقابلہ بھلا کون کر سکتا ہے! ؎

پروانے کو چراغ ہے، بلبل کو پھول بس!
صدیقؓ کے لئے ہے خدا کا رسولؐ بس!!



نابینا صحابی کا شوقِ جہاد

عبداللہؓ بن ام مکتوم ایک نابینا صحابی تھے۔ ان کی جلالت، قدر اور عظمت کا اندازہ اسی سے لگا لیجیے کہ قرآن پاک کی سورۂ عبس ان کے حق میں نازل ہوئی ــــ حضورؐ جب کبھی جہاد یا حج و عمرہ وغیرہ کی ضرورت سے باہر تشریف لے جاتے تو مسجد نبوی کا امام انہی کو مقرر فرما جاتے تھے۔ معذوری کی وجہ سے یہ جہاد سے مستثنیٰ تھے، لیکن پھر بھی شوقِ جہاد اس قدر تھا کہ بار بار جنگوں میں شریک ہوئے اور فرمایا کرتے تھے کہ "اور کچھ نہیں کر سکتا ہوں تو کیا اسلامی فوج کا جھنڈا تھام کر کھڑا بھی نہیں رہ سکتا ہوں۔ علم میرے ہاتھ میں دے کر دونوں صفوں کے درمیان مجھے کھڑا کر دو۔ انشاء اللہ بھاگوں گا ہرگز نہیں!" چنانچہ جنگ قادسیہ میں زرہ بکتر پہنے، اسلامی فوج کا جھنڈا ہاتھ میں لئے کھڑے تھے کہ اسی حالت میں شہادت نصیب ہوئی۔



محمد مصطفیٰ صلعم کا دامنِ اقدس

ہاتھ سے نہیں چھوڑوں گا

خالدؓ بن سعید کے والد کو اُن کے اسلام لانے کا علم ہوا تو اس نے اپنے دوسرے بیٹوں کے ذریعے پکڑ لیا۔ اور اُن پر ایک نگاہ خشم آلود ڈال کر کہا۔ "محمدؐ کے دین کو چھوڑ دو۔ ورنہ تمہاری خیر نہیں"۔ لیکن خالد دل و جان سے اسلام پر فدا ہو چکے تھے۔ بولے "ہرگز نہیں ہرگز نہیں۔ میری جان بھی چلی جائے تو محمدؐ مصطفیٰ کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑوں گا"۔ ان کے باپ سعید نے انہیں بہت ڈرایا دھمکایا۔ لیکن وہ ٹس سے مس نہ ہوئے۔ آخر اس نے سخت غضبناک ہو کر انہیں بیدردی سے مارنا شروع کیا۔ ہاتھ کی لکڑی ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی۔ لیکن اس کا غصّہ فرد نہ ہوا۔ جب تھک گیا تو ایک بار پھر خالدؓ کو ورغلانے کی کوشش کی۔ اور کہا "تو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے کہ محمدؐ نے ساری قوم سے علیحدگی اختیار کر لی ہے۔ اور اس کے ساتھی ہمارے معبودوں کو بُرا کہتے ہیں اور ہمارے آباؤ اجداد کو باطل پرست کہتے ہیں۔ تجھے شرم

نہیں آتی۔ کہ ان باتوں میں تو ان کا ساتھ دیتا ہے۔ لیکن خالدؓ کا نشہ ایسا نہ تھا۔ جسے خاندانی عصبیت اُتار دے۔ بولے "خدا کی قسم! محمدؐ جو فرماتے ہیں۔ سچ فرماتے ہیں۔ اور میں ہرگز ان کا ساتھ نہ چھوڑوں گا"۔

جب سنگدل باپ کے دوسرے تمام حربے ناکام ہو گئے تو اس نے حضرت خالدؓ کو قید کر دیا۔ اور ان کا کھانا پینا بند کر دیا۔ خالد کئی دن تک بھوکے پیاسے قیدِ تنہائی کی مصیبتیں جھیلتے رہے۔ آخر ایک دن موقعہ پا کر بھاگ نکلے اور نواحِ مکہ میں کہیں جا چھپے۔



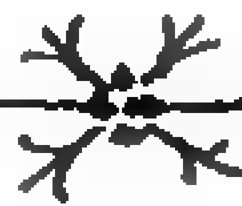
یہ رُتبہ بلند مِلا جس کو مِل گیا

ابُوعبدالرحمان حارث بن ہشام رضؓ مخزومی مشہور دشمنِ اسلام ابوجہل کے حقیقی بھائی تھے۔

ابوجہل تو کفر کی حالت میں اس دنیا سے خائب وخاسر رخصت ہوا۔ لیکن حارث بن ہشام کو اللہ تعالےٰ نے اسلام اور شہادت کی نعمتوں سے مشرف کیا۔

سچ ہے "یہ رُتبہ بلند مِلا جس کو مِل گیا"۔

حارث فتح مکّہ کے موقع پر دوسرے سرداران قریش کے ساتھ نعمتِ ایمان سے بہرہ یاب ہوئے۔ غزوۂ حُنین میں رفاقت رسالت نہایت ثابت قدمی سے ساتھ دیا۔ اور جنگِ یرموک میں نہایت جانبازی سے لڑکر شہید ہوئے۔



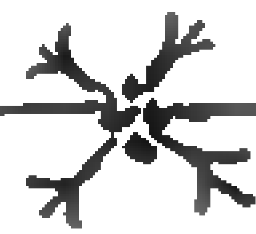
نادیدہ عاشقِ رسول سُولی پر

حضرت فروہ بن عمرو الجذامیؓ روم کے عیسائی بادشاہ کی طرف سے عرب کے بعض قبائل پر حاکم تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں صالح فطرت عطا کی تھی۔ جب آفتابِ ھدایت فاران کی چوٹیوں سے طلوع ہوُا اور اس کی ضیا پاش کرنوں سے ظلمت کدۂ عالم مُنوّر ہو گیا تو فروہ بن عمرو کے دل نے گواہی دی کہ یہ نُورِ حق ہے۔ اور اس کی طرف سے آنکھیں بند کر لینا محض ہٹ دھرمی اور آنکھیں بند کر لینے کے سوا کچھ نہیں ہے۔ انہوں نے نہ تو رسُولؐ خدا کو دیکھا تھا۔ اور نہ اُن کی زیارت سے بامشرف ہوئے تھے۔ اور نہ ہی دربارِ رسالت سے انہیں کوئی دعوتِ حق موصول ہوئی تھی۔ لیکن سرورِ کائناتؐ کی بعثت۔ حق گوئی۔ اخلاق حسنہ تبلیغ حق اور ابتلا و آزمائش کا حال سُن کر اپنا تن من رسُول کریمؐ پر نثار کر بیٹھے۔ صدقِ دل سے اسلام قبول کر لیا۔ انہوں نے قاصد کے ذریعہ اپنے مسلمان ہونے کی اطلاع

سرورِ عالم صلعم کی خدمت میں بھیج دی۔

جب قیصرِ روم کو ان کے قبولِ اسلام کی اطلاع ملی تو وہ بہت برافروختہ ہوا اور انہیں اپنے عہدہ سے معزول کر کے قید خانے میں ڈال دیا۔ انہیں ہر ممکن طریقہ سے کام لے کر اسلام سے برگشتہ کرنے کی کوشش کی۔ لیکن اس مردِ حق کے دل میں اسلام کی جڑیں بہت مستحکم ہو چکی تھیں۔ وہ عزم و استقامت کے پہاڑ ثابت ہوئے۔ دینِ حق چھوڑنے سے صاف انکار کر دیا۔ قیصر نے انہیں سُولی پر چڑھانے کا حکم دیدیا۔ نادیدہ عاشقِ رسول ﷺ نے اپنی جان کی کچھ پرواہ نہ کی۔ اور نہایت خوشی سے یہ شعر پڑھتے ہوئے سُولی پر چڑھ گئے۔ ------؟

"مسلمانوں کے سردار کو پیغام پہنچا دو کہ میری ہڈیاں اور میری جگہ سب پروردگار کے مطیع ہیں۔"



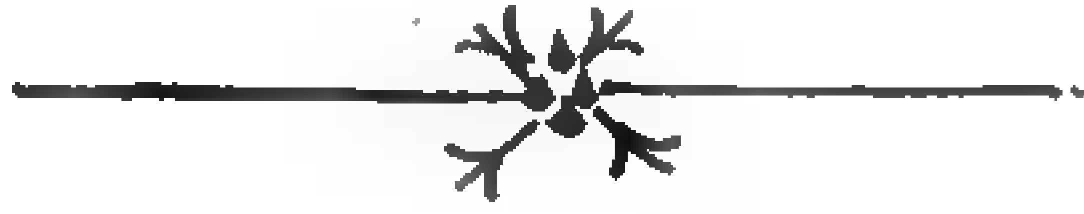
عاشقِ رسولؐ

حضرت اویس قرنیؒ کو اللہ تعالیٰ نے طبع سلیم اور فطرتِ صالح عطا کی تھی۔ ان کے کان جب رحمتہ العالمینؐ کے ذکر پاک سے آشنا ہوئے تو اُن کے دل نے گواہی دی کہ حضورؐ خدا کے سچے رسولؐ ہیں، گویا ان کو غائبانہ تصدیق بھی حاصل ہوگئی اور بات صرف یہاں تک ہی ختم نہ ہوئی بلکہ ان کو سرورِ کونین صلعم سے والہانہ عشق ہوگیا۔ ایسا عشق جس نے ان کو حیاتِ جاوداں بخش دی۔

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدہ عالم دوامِ ما

حضرت اویس قرنیؒ نے اپنے آپ کو فنا فی الرسولؐ کر دیا۔ ہر وقت سرورِ کائنات صلعم کے احوال کی جستجو کرتے رہتے تھے۔ اور قدم بقدم حضورؐ کے اسوۂ حسنہ پہ

چلنے کی سعی کرتے ۔ زھد و قناعت، عبادت و ریاضت اور اتباع رسول ؐ کی انہوں نے ایسی مثال قائم کی کہ آج تک صلحائے امت کے لئے باعثِ رشک ہے ۔ آپؒ نے حقیقت محمدیہ کا باطنی آنکھوں سے مشاھدہ کیا تھا ۔



اِسلام قبوُل کرنے کا مَقصَد

ایک جنگ کے دوران ایک بدّو آنحضرت صلعم کے ہاتھوں مشرف باسلام ہوُا۔

اس جنگ میں مسلمانوں کے ہاتھ بہت سا مالِ غنیمت لگا۔ جنگ کے خاتمہ پر حضوُر صلعم نے مال غنیمت تقسیم کرنا شروع کر دیا۔ جب اس بَدّو کو آنحضور صلعم نے مال غنیمت میں سے حصّہ دینا چاہا تو اُس بَدّو نے مال غنیمت لینے سے صاف انکار کر دیا اور کہا "یارسول اللہ صلعم میں آپ صلعم پر اس لئے ایمان نہیں لایا۔ کہ میں مالِ غنیمت میں سے حِصّہ لوں۔ بلکہ میں تو اس مقصد کے لئے ایمان لایا ہوں۔ کہ میں آپؐ پر اپنی جان قربان کر دوں۔ اور میرا دل اور جسم تیروں اور نیزوں سے چھلنی ہو جائے اور میں حقِ جانشاری ادا کرتا ہوا شہید ہو جاؤں۔ اس طرح شاید مجھے بھی جنّت نصیب ہو جاوے۔"

کچھ ہی عرصہ بعد جنگ دوبارہ شروع ہو گئی۔ اِس بُڈّو نے بڑی بے جگری سے دشمن کا مقابلہ کیا حتّٰی کہ شہید ہو گیا۔

بعد میں لاش دیکھنے پر معلوم ہُوا۔ کہ اُس کا دِل اور جسم تیروں اور نیزوں سے انتہائی حد تک چھلنی ہو چکا تھا۔
آنحضرت صلعم نے اس لاش کو دیکھ کر فرمایا کہ اس نے اپنا گوہرِ مقصود پا لیا ہے۔ اور حق جانثاری بھی ادا کر دیا ہے۔



راہِ حق میں سر کٹانے کی تڑپ

سعد رضؓ الاسود سہمی نہایت کریہہ المنظر انسان تھے۔ جب ان کی شادی ہوئی تو یہ بیوی کے پاس جانے سے پہلے بازار پہنچے تاکہ بیوی کے لئے کچھ تحائف خریدیں۔ ابھی کوئی چیز خریدی بھی نہ تھی کہ ان کے کانوں میں ایک منادی کی آواز پڑی جو کہہ رہا تھا "اے خدا کے شاہسوارو جہاد کے لئے تیار ہو جاؤ اور جنت کی بشارت لو"۔

سعدؓ نوجوان تھے۔ صدہا مایوسیوں کے بعد ان کی شادی ہوئی تھی۔ دل میں ہزاروں اُمنگیں تڑپ رہی تھیں۔ لیکن منادی کی آواز سُن کر تمام ولولے اور جذبات ٹھنڈے پڑ گئے۔ اور سینے میں راہِ حق میں سر کٹانے کی تڑپ پیدا ہو گئی۔ وہ رقم جو نوعروس کی خاطر تحائف خریدنے کے لئے لائے تھے۔ اس سے گھوڑا، تلوار اور نیزہ خریدا۔ اور سر پہ عمامہ باندھ کر جماعتِ مجاہدین میں شامل ہو گئے کیونکہ اس سے پہلے ان کے پاس تلوار، نیزہ، عمامہ اور گھوڑا کچھ بھی

نہ تھا۔ اس لئے رسول کریمؐ سمیت کسی نے بھی ان کو پہچانا۔
میدان جنگ میں پہنچ کر بڑے جوش اور شجاعت سے
لڑے۔ ایک موقع پر گھوڑا اڑ گیا تو اس کی پشت پر سے کود پڑے
اور آستیں چڑھا کر پیادہ پا ہی لڑنا شروع کر دیا۔ اس وقت حضورؐ
نے ہاتھوں کی سیاہی دیکھ کر آپؓ کو شناخت کر لیا۔ اور
آواز دی "سعدؓ" لیکن سعدؓ اس وقت ہوش میں نہ تھے، جنت
عدن اور اس کی حوریں ان کے سامنے تھیں۔ اور وہ اس جوش و
وارفتگی کے ساتھ لڑ رہے تھے کہ سرورِ کائناتؐ کی آواز کی بھی
خبر نہ ہوئی۔ اسی طرح دادِ شجاعت دیتے ہوئے جام شہادت
نوش فرمایا۔ اور عروسِ نو کی بجائے "حورانِ جنت" کی آغوش
میں جا پہنچے۔



اللہ کا احسان!

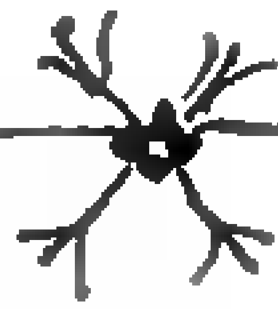
حضرت عروہ بن مسعود رضؓ بنی ثقیف کے ایک صاحب اثر رئیس تھے۔ آنحضورؐ پر ایمان لانے کے بعد آپ اپنے قبیلہ میں تبلیغ کے لئے چلے گئے اور طائف پہنچ کر ایک بلند مقام پر کھڑے ہو گئے۔ پھر بلند آواز سے لوگوں کو دعوت حق دی۔

اہلِ طائف سخت بد باطن اور شقی القلب لوگ تھے۔ انہوں نے عروہ رضؓ کا رتبہ و احترام بالائے طاق رکھا اور دعوت حق کے جواب میں ان پر تیروں کی بوچھاڑ کر دی تیروں سے چھلنی ہو کر گر پڑے۔ ابھی جان باقی تھی۔ کہ معلوم ہونے پر ان کے رشتہ دار اور اہلِ خاندان دوڑے آئے۔ اور پوچھا "تمہارے خون کا بدلہ ہم کس سے لیں"۔

اس مردِ حق نے نہایت اطمینان سے جواب دیا۔ "یہ تو اللہ نے مجھ پر احسان کیا کہ مجھے رتبۂ شہادت پر

فائدہ کیا۔ میں تو اب صرف یہ چاہتا ہوں۔ کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اُن ساتھیوں کے پاس دفن کرنا جو محاصرہ طائف کے دوران میں شہید ہوئے"۔ یہ کہہ کر جان جانِ آفریں کے سپرد کر دی۔

حضورؐ نے حضرت عُروہ کی شہادت کی خبر سُنی تو فرمایا " عروہ رضؓ اپنی قوم میں ایسا تھا۔ جیسے صاحب یٰسین (حضرت عیسیٰؑ) اپنی قوم میں"۔ پھر حضورؐ نے فرمایا مجھے انبیاء کی مثالی صورتیں دکھائی گئیں۔ عُروہ رضؓ حضرت عیسیٰؑ بن مریمؑ کے ہم شبیہ تھے۔

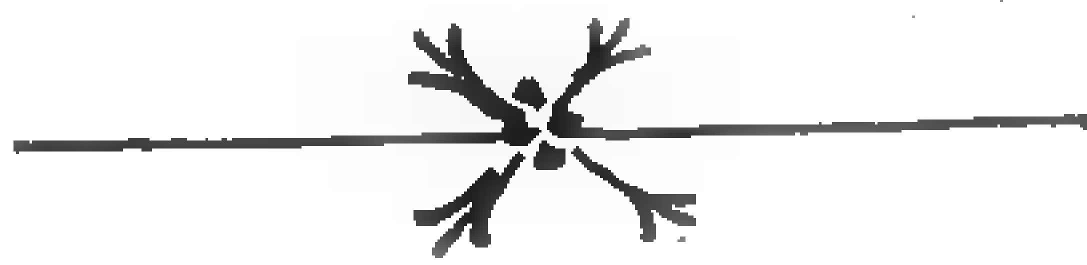


شہادت کی خوشخبری

حضرت ابو نضلہ رضؓ اخرم اسدی نے ایک روز خواب میں دیکھا "آسمان کے دروازے اُن پہ کھول دئے گئے ہیں اور وہ سدرۃ المنتہیٰ میں جا مُقیم ہوئے ہیں۔ حضرت ابو بکر صدیق رضؓ سے اس کی تعبیر پوچھی تو اُنہوں نے فرمایا۔ ابو نضلہ تمہیں اللہ تعالیٰ نے شہادت کی خوشخبری سنائی ہے"

غزوہ ذی قرہ میں آپؓ شریک ہوئے۔ آپؓ اپنے ساتھیوں سے آگے تھے۔ دشمنوں کے قریب پہنچے تو حضرت سلمہؓ نے پہاڑ سے اُتر کر ان کے گھوڑے کی باگ پکڑ لی۔ اور کہا۔ اخرم ابو نضلہ رضؓ ٹھہر جاؤ۔ ورنہ خدشہ ہے کہ تم دشمن کے نرغہ میں آجاؤ گے۔ ابو نضلہؓ نے جوشِ شہادت میں کہا۔ "سلمہ تمہیں اللہ اور یومِ آخرت کا واسطہ ہے کہ مجھے راہ حق میں اپنی جان قربان کرنے سے نہ روکو۔"

حضرت سلمہؓ نے اُن کے گھوڑے کی باگ چھوڑ دی۔ ابو نضلہؓ گھوڑا دوڑاتے ہوئے دشمنوں پر جا پڑے۔ عبدالرحمٰن فزاری سب سے پہلے اُن کے سامنے آیا۔ آپؓ نے تلوار کا ایک بھرپور وار اس پر کیا۔ وہ تو بچ گیا لیکن اس کا گھوڑا کٹ کر گر پڑا۔ اب اس نے سنبھل کر حضرت ابو نضلہؓ پر اپنے نیزے کا بھرپور وار کیا۔ اور ابو نضلہ جو یائے شہادت اپنی مراد کو پہنچے۔ اتنے میں حضرت ابُو قتادہؓ انصاری بھی اپنا گھوڑا دوڑاتے ہوئے آن پہنچے۔ اُن کی شمشیرِ اجل برق بن کر عبدالرحمٰن کے سر پر گری۔ اور ابو نضلہؓ کا انتقام لے لیا گیا۔



آرزوئے شہادت

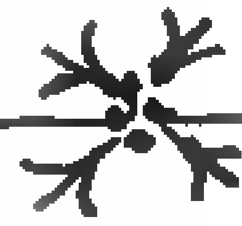
جنگِ موتہ کے موقع پر جب لشکرِ اسلام نے مدینہ سے کوچ فرمایا۔ تو اس وقت حضرت عبداللہ بن رواحہ نے اشکبار آنکھوں سے دعا فرمائی۔ "اے اللہ! میں تجھ سے بخشش اور ایسے کاری زخم کی دُعا مانگتا ہوں۔ جس سے تازہ خُون اُبلے یا ایسے نیزے کا وار جو جگر کے پار ہو جائے۔ حتّٰی کہ میری قبر پر سے گذرنے والے پکار اُٹھیں۔ کہ مرحبا! اللہ کی راہ میں کیا خوب لڑا۔"

عین دورانِ جنگ میں جب زید بن حارثہؓ اور جعفر بن ابی طالبؓ علمبردارانِ اسلام شہید ہو گئے تو آنحضورؐ کی نصیحت کے مطابق آپؓ نے علمِ اسلام تھاما۔ اور شمشیر بکف یہ کہتے ہوئے آگے بڑھے۔

اُے نفس! جعفرؓ اس دنیا سے رُخصت ہوئے۔ اور تُو ابھی اس دنیا میں ہی ہے؟ جا! بیوی سے اگر الفت ہے تو اُسے دی۔ مکان سے اگر محبت ہے تو اُسے رسول کی نذر کیا۔

لونڈی غلاموں کی کشش ہے تو انہیں آزاد کیا۔ اے نفس۔ اگر تو آج نہ مارا گیا۔ تو بھی ایک روز مرے گا۔ جامِ اجل پینا ضروری ہے۔ اگر تو نے جعفرؓ اور زیدؓ کی پیروی کی تو تیری مراد پوری ہوگئی۔ اور تو راہ ھدایت پاگیا۔

یہ کہہ کر ایسا زبردست حملہ کیا کہ صفِ اعداء میں کھلبلی مچ گئی۔ وہ انصار کے مشہور شمشیر زن تھے۔ جو دشمن سامنے آتا۔ اُن کی تیغِ اجل کا شکار ہو جاتا۔ دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو کر دادِ شجاعت دے رہے تھے کہ دشمن کے ایک سپاہی نے تاک کر سینہ میں نیزہ مارا۔ جو جگر کے پار ہو گیا۔ زخم نہایت کاری تھا۔ آپؓ نے خون کا چُلّو بھر کر منہ پر چھڑکا۔ اور گر پڑے۔ مسلمان انہیں بچانے کیلئے لپکے۔ لیکن روحِ اطہر عالمِ بالا کو پرواز کر چکی تھی۔ اور اُن کی دیرینہ آرزوئے شہادت کو یوں عجیب طریقہ سے شرفِ قبولیت بخشتے ہوئے پورا کیا۔



اللہ کی راہ میں نو تلواروں کا ٹوٹنا

جنگ موتہ کے میدان میں جب حضرت خالد بن ولیدؓ نے پرچم اسلام سنبھالا تو ذمہ داری کے احساس نے انہیں غضبناک شیر بنا دیا۔ آپؓ دشمن پر برق اجل بن کر گرے۔ اور مسلمانوں کو ساتھ لے کر اس غضب کا حملہ کیا۔ کہ کفار سراسیمہ ہو گئے۔ حضرت خالد بن ولید اس جوش سے لڑ رہے تھے کہ جو تلوار آپؓ کے ہاتھ میں آتی بے شمار دشمنوں کا خون پی کر ٹوٹ جاتی۔ اس طرح نو تلواریں ٹوٹیں۔

بالآخر یمن کی بنی ہوئی ایک چوڑی تلوار آپؓ کے ہاتھ میں آئی۔ اور اس نے لڑائی ختم ہونے تک آپؓ کا ساتھ دیا۔

خالد بن ولیدؓ نہ صرف شجاع تھے۔ بلکہ ایک عظیم ماہر جنگ جرنیل بھی تھے۔ انہوں نے مسلمانوں کو اس بہادری اور چابکدستی سے لڑایا۔ کہ لڑائی کا پانسہ پلٹ گیا۔ اور کفار کے ٹڈی دل لشکر نے پسپائی اختیار کر لی۔



ایک عظیم آزمائش

جب حضورؐ نے صحابہؓ کرام کو غزوۂ تبوک کی تیاری کا حکم دیا، تو کعب بن مالک انصاریؓ بھی دوسرے لوگوں کے ساتھ بڑے ذوق و شوق سے جہاد پر جانے کی تیاری کرنے لگے۔ اِن دنوں وہ بہت آسودہ حال تھے۔ سفر کے لئے اُنہوں نے دو اونٹ خرید لئے اور دوسرا سامان بھی مہیّا کر لیا۔ لیکن قسمت میں اس موقع پر شرکتِ جہاد کی سعادت نہ لکھی تھی۔ لشکرِ اسلام کے کُوچ کے وقت سُستی اور تذبذب میں مبتلا ہو گئے کہ ایسی بھی کیا جلدی ہے کل جا ملوں گا۔ دوسرے دن بھی اسی طرح سستی نے غلبہ کیا اور وہ نہ جا سکے۔ غرض اسی حیص بیص میں کئی دن گذر گئے۔ حتّٰی کہ اُنہیں حضورؐ کے تبوک پہنچنے کی خبر ملی۔ اب جانے کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔ شہر میں نکلے تو منافقین اور معذور لوگوں کے سوا کسی کو نہ دیکھا۔ سب حضورؐ کی رفاقت میں میدانِ جہاد کو تشریف لے جا چکے تھے۔

حضرتِ کعب پر گھڑوں پانی پڑ گیا۔ ضمیر نے ملامت کی کہ اے کعب کہ تو تندرست اور صاحب استطاعت ہونے کے باوجود اپنی سُستی کی بدولت شرکتِ جہاد سے محروم رہا۔ سخت غمزدہ اور ملول ہوئے۔ لیکن اب پچھتائے کیا ہو سکتا تھا۔

حضورؐ غزوۂ تبوک سے واپس تشریف لائے تو لوگوں نے کعب کو طرح طرح کے حیلے بہانے سمجھائے کہ یوں کہہ دو تو حضورؐ درگزر فرمائیں گے۔ لیکن کعبؓ نے تہیّہ کر لیا کہ ایک گناہ تو کیا ہے دوسرا ہرگز نہ کروں گا۔ اور حضورؐ کے سامنے اپنی خطا کا صاف اقرار کر لوں گا۔ لشکر میں کعبؓ کی عدم شرکت کی اطلاع حضورؐ کو بھی مل چکی تھی۔

اسّی کے قریب اور لوگ بھی تھے جو تبوک نہیں گئے تھے۔ وہ سب حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنے عذر بیان کئے اور حضورؐ نے قبول فرما لئے۔ اب حضرت کعبؓ خدمت نبویؐ میں پیش ہوئے۔ حضورؐ نے تبسّم فرمایا اور پوچھا "کعب تم غزوہ میں کیوں شریک نہیں ہوئے۔ کیا بیمار تھے یا سامان نہ تھا"

حضرت کعبؓ نے عرض کی "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم مجھے کوئی عذر نہ تھا۔ بالکل تندرست و توانا تھا اور سامان بھی تھا۔ محض میرے نفس کی سُستی اور تذبذب نے مجھے شرکتِ جہاد سے محروم رکھا"

حضورؐ نے فرمایا "تم نے سچ کہا۔ اب اپنے گھر جاؤ اور حکم خداوندی کا انتظار کرو۔"

حضورؐ نے لوگوں کو منع کر دیا کہ کوئی ان سے بات چیت نہ کرے۔

پچاس دن حضرت کعبؓ نے ابتلا و کرب میں گذارے۔ گھر سے نکل کر مسجد نبوی میں جاتے اور نماز پڑھ کر ایک گوشے میں بیٹھ جاتے۔ نہ حضورؐ ان سے کلام فرماتے نہ کوئی اور۔ کعبؓ کے دل پر چھریاں چلتی تھیں کہ آقا کی نگاہِ التفات سے محروم ہو گئے ہیں۔

اور تو اور خاندان کے لوگ بھی ارشادِ نبوی کی تعمیل میں ان سے نہیں بولتے تھے۔ ایک دن اپنے چچا زاد بھائی ابو قتادہؓ کے پاس گئے۔ انہیں سلام کیا لیکن وہ خاموش رہے۔ اس واقعہ سے پہلے ابو قتادہؓ کو کعبؓ سے بے پناہ محبت تھی۔ لیکن اب جو انہیں بھی خاموش پایا تو کعبؓ بہت دل شکستہ ہوئے۔ قسم دے کر اُن سے پوچھا "ابو قتادہؓ تم خوب جانتے ہو کہ میں اللہ اور اللہ کے رسولؐ سے محبت رکھتا ہوں۔" ابو قتادہؓ بدستور منہ پھیرے خاموش کھڑے رہے۔ جب تین مرتبہ کعبؓ نے یہی کلمات کہے تو ابو قتادہؓ نے بس اتنا کہا "خدا اور خدا کے رسولؐ ہی اچھی طرح جانتے ہیں۔"

کعبؓ یہ دل شکن جواب سن کر اشکبار ہو گئے اور روتے ہوئے شہر لوٹے۔ راستے میں انہیں غسان کے عیسائی بادشاہ کا قاصد ملا جو انہی کو تلاش کرتا پھر رہا تھا۔ شاہ غسان نے کعب جیسے نامور

آدمی سے رسولِ کریمؐ کی ناراضی کی خبر سُن کر قاصد کے ذریعہ انہیں ایک خط بھیجا تھا۔ جس میں لکھا تھا "ہم نے سنا ہے تمہارے صاحب رسولِ کریمؐ نے تم پر زیادتی کی ہے اور دوسرے لوگوں نے بھی تم سے قطع تعلق کر لیا ہے۔ ہم تمہاری قدر و منزلت سے بخوبی آگاہ ہیں۔ اگر تم اس قاصد کے ہمراہ ہمارے پاس آجاؤ تو ہمیں انتہائی قدر دان پاؤ گے۔

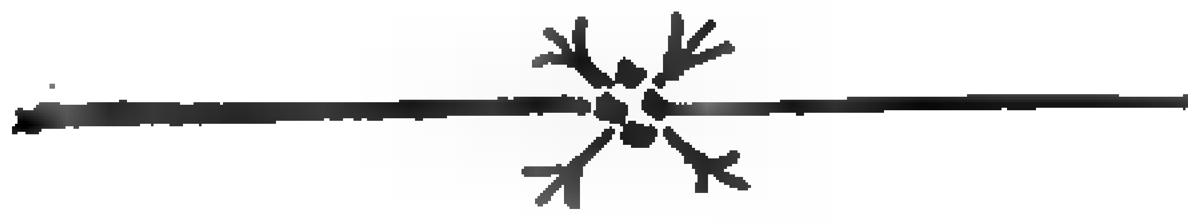
یہ ایک سخت آزمائش تھی۔ لیکن حضرت کعبؓ کے قدم جادۂ استقلال سے ذرا بھی نہ ڈگمگائے انہوں نے اس خط کو حوالۂ آتش کیا اور خشیت الٰہی سے روئے کہ مجھے یہ روز بد بھی دیکھنا تھا۔ کہ ایک کافر مجھے راہِ حق سے ہٹانا چاہتا ہے اور میرے آقا سے جُدا کرنا چاہتا ہے۔

مقاطعہ کے چالیسویں روز حضورؐ نے کعبؓ کو پیغام بھیجا کہ اپنی بیوی سے الگ ہو جاؤ۔ عاشقِ رسولؐ کے سُوکھے دھانوں پر پانی پڑا کہ آقاؐ نے یاد تو کیا۔ پوچھا طلاق دیدوں؟ پیغامبر نے کہا "نہیں صرف الگ رہو"۔ حضرت کعبؓ نے اسی وقت بیوی کو میکے روانہ کر دیا۔

پچاسویں دن حضرت کعبؓ نماز پڑھ کر اپنے مکان کی چھت پر لیٹے تھے اور توبہ و استغفار کر رہے تھے کہ رحمتِ خداوندی جوش میں آگئی۔ ان کی توبہ قبول ہو گئی۔ وحی نازل ہوتے ہی حضورؐ نے صحابہؓ کو خبر دی۔ حضرت کعبؓ کے مکان کے پاس ایک ٹیلہ تھا۔ صدیق اکبرؓ

اس ٹیلے پر چڑھ کر پکارے۔ "کعب تمہیں مبارک ہو تمہاری توبہ اللہ نے قبول کر لی۔

کعبؓ سجدۂ شکر میں گر پڑے اور پھر اُٹھ کر دوڑتے ہوئے بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے راستہ میں جو شخص ملا اس نے انہیں مبارکباد دی۔ حضورؐ نے انہیں دیکھ کر فرمایا "کعب تمہاری زندگی میں آج تک ایسا مبارک دن نہیں آیا تمہیں بشارت ہو کہ اللہ نے تمہاری[1] توبہ قبول فرمائی"۔ وفور مسرت میں حضرت کعبؓ نے عرض کی "یا رسول اللہ اس خوشی میں میں اپنا کل مال صدقہ کرتا ہوں"۔ حضورؐ نے فرمایا "نہیں اپنے مال کا ایک حصہ صدقہ کرو"۔ حضرت کعبؓ نے خیر کا حصہ راہ حق میں دے دیا۔ اور کہا اللہ نے میری راست گوئی کی وجہ سے مجھے نجات دی۔ انشا اللہ دم نزع تک راست گوئی کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑوں گا۔



---

[1] مرارہ بن ربیعؓ اور بلال بن امیہؓ دو اور بزرگ بھی تبوک نہ جا سکے تھے۔ اللہ نے کعبؓ کے ساتھ ان دونوں کی توبہ بھی قبول کر لی۔ ۱۲۔

شاہی میں فقیری

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ عرب کے مشہور تاجروں میں سے ایک تھے۔ اسلام قبول کرنے کے بعد انہوں نے اپنا مال جس طرح راہِ خدا میں لٹایا، اس کی مثال نہیں ملتی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:

"میں نے سب لوگوں کے احسانات کا بدلہ اس دنیا میں چکا دیا ہے۔ لیکن ابو بکرؓ کے احسان کا بدلہ نہیں دے سکا، یہ بدلہ اُسے میری طرف سے اللہ تعالیٰ میدانِ قیامت میں دے گا۔"

حضرت ابو بکر صدیقؓ خلافت سے پہلے کپڑے کی تجارت کرتے تھے۔ جب خلافت کا کام سر پر آپڑا تو حضرت عمرؓ، حضرت ابو عبیدہؓ وغیرہما سرکردہ صحابہؓ نے باہم مشورہ کر کے حضرت ابو بکرؓ کا وظیفہ بیت المال سے مقرر کر دیا تاکہ کاروبارِ خلافت میں خلل نہ پڑے اور وہ اپنا سارا وقت اسی کام میں لگا سکیں۔ اس وظیفہ کی مقدار مہاجرین میں سے اوسط درجے کے آدمی کے اخراجات کے حساب سے مقرر کی گئی تھی۔

ایک دفعہ امیر المومنین کی بیوی نے کوئی میٹھی چیز کھانے کی خواہش ظاہر

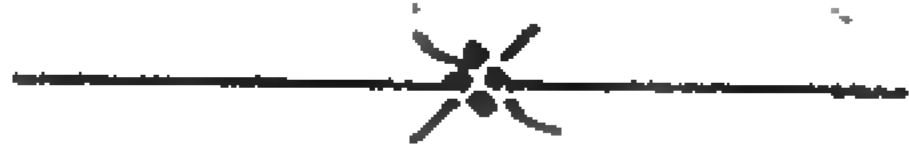
کی تو اُنھوں نے فرمایا "میرے پاس قیمت ادا کرنے کو کچھ نہیں"۔ بیوی نے روزانہ کے وظیفے میں سے تھوڑا تھوڑا بچا کر کچھ پیسے جمع کئے۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا:

"اس تجربے سے یقین ہو گیا کہ اگر ہمارا وظیفہ اتنا کم ہو جتنا تم نے روز بچایا ہے تو بھی گذارا ہو سکے گا"

یہ کہہ کر جمع شدہ رقم بیت المال میں واپس کرا دی اور آئندہ اتنی مقدار اپنی تنخواہ سے کٹوا دی۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت عائشہ اُم المومنین کو وصیت فرمائی تھی کہ میری وفات کے بعد بیت المال کی جو چیزیں میرے استعمال میں ہیں، وہ آنے والے خلیفہ کے سپرد کر دی جائیں۔ چنانچہ اُن کے بعد جب ایک اُونٹنی، ایک پیالہ، ایک خادم اور ایک معمولی سا بستر حضرت عمرؓ کے سپرد کیا گیا تو وہ روپڑے اور فرمایا، "اللہ تعالیٰ ابوبکرؓ پر رحم فرمائے، اُنھوں نے اپنے بعد میں آنے والے کو (زہد و تقویٰ کی یہ مثال قائم کر کے) مشقت میں ڈال دیا ہے"!

؎ آں مسلماناں کہ میری کردہ اند
در شہنشاہی فقیری کردہ اند

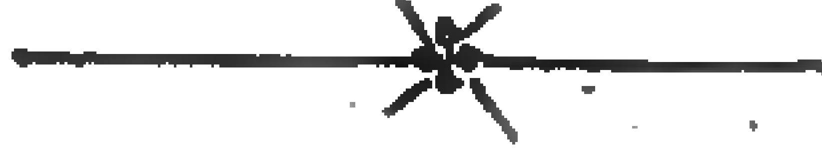


حکومت کا اسلامی دستور العمل

حضرت ابو بکر صدیق رضؓ نے مسندِ خلافت پر متمکّن ہونے کے بعد مجمع عام میں سب سے پہلی تقریر جو فرمائی وہ اپنی سادگی اثر اندازی اور جامعیت میں بے مثال ہے۔ اس سے یہ اندازہ ہو جاتا ہے کہ ایک مومن حاکم کی حکومت کی پالیسی کیا ہونی چاہیئے۔ آپ نے فرمایا:

"اے لوگو! واللہ میں نے کبھی خفیہ یا علانیہ حکومت کی تمنّا نہیں کی۔ میں تم پہ حاکم بنایا گیا ہوں، درآنحالیکہ میں تم سے بہتر نہیں ہوں۔ اب تمہارا فرض یہ ہوگا کہ اگر میں اچھا کام کروں تو میری اطاعت کرو۔ لیکن اگر میں ٹیڑھا ہو جاؤں تو مجھے سیدھا کر دو۔ یاد رکھو! سچائی امانت ہے، اور جھوٹ بددیانتی ہے۔ تم میں سے کمزور ترین آدمی بھی میرے نزدیک طاقتور ہے۔ جب تک کہ میں اس کا حق اسے دلوا نہ دوں اور تم میں سے قوی ترین شخص بھی میرے نزدیک کمزور ہے جب تک کہ میں اس سے دوسروں کا حق حاصل نہ کر لوں۔ یاد رکھو جو قوم اللہ کی راہ میں جہاد کرنا چھوڑ دیتی ہے اللہ تعالیٰ اسے ذلیل و خوار کر دیتا ہے۔

اور جس قوم میں بدکاری پھیل جاتی ہے، خدا اسے کسی عام مصیبت میں گرفتار کرا دیتا ہے۔ اُٹھو! اللہ تم پر رحم کرے، اُٹھو! نماز کی تیاری کرو!"



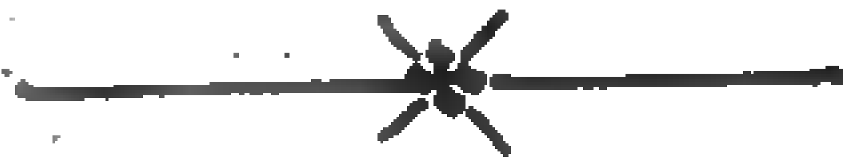
میں رسول اللہ کا حکم ٹال نہیں سکتا!

جنگِ موتہ سنہ ۸ھ کے شہداء کے خون کا بدلہ لینے کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ دن قبل اُسامہؓ بن زیدؓ کی سپہ سالاری میں ایک مہم روانہ فرمائی تھی۔ اس فوج میں بڑے بڑے آزمودہ کار جلیل القدر صحابہؓ بھی شامل تھے۔ ابھی یہ لشکر روانہ ہی ہوا تھا کہ حضورؐ کا وصال ہو گیا اور عرب بھر میں فتنہ و فساد اور بغاوت کی ہوائیں تیزی سے چلنے لگیں۔ اس صورتِ حال کے پیشِ نظر بعض صحابہؓ کی رائے تھی کہ اُسامہؓ کے لشکر کو مرکزِ اسلام کی حفاظت کے لئے روک لیا جائے۔ کیونکہ ایسے ناسازگار حالات میں فوج کو مرکزِ خلافت سے دُور بھیج دینا اور مدینہ کو خالی چھوڑ دینا قرینِ دانش نہیں۔ علاوہ ازیں اس مہم سے پہلے دوسرے اہم معاملات کا نپٹانا ـــــ مثلاً مرتدین کی سرکوبی وغیرہ ـــــ ضروری ہے۔ لیکن جو کچھ حضرت ابوبکرؓ کی نگاہِ دُوربین دیکھ رہی تھی، اس کا کسی کو اندازہ نہ تھا۔ انہوں نے شدت سے اس رائے کی مخالفت فرمائی اور کہا:

"واللہ اگر مدینہ میں سناٹا چھا جائے اور وحشی درندے آ کر میری ٹانگیں تو چ لیں تب بھی میں اس مہم کو نہیں روک سکتا۔

جس کی روانگی کا حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دے چکے ہیں"!

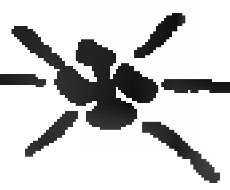
چنانچہ یہ مہم منزل مقصود کی طرف روانہ ہوئی اور سوا مہینے کے بعد فتحیاب ہو کر واپس لوٹی۔ عرب میں اس کا بڑا اثر ہوا اور دشمنانِ اسلام نے سمجھ لیا کہ مسلمانوں کے پاس اس قدر طاقت موجود ہے کہ وہ اتنی دُور تک جہاد و قتال کے لئے لشکر بھیج رہے ہیں۔



مُجاھدین کا ضابطۂ اخلاق

جب حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اسامہ بن زیدؓ کے لشکر کو روانہ کیا تو خود پیادہ پا مدینہ سے باہر تک اُسے رخصت کرنے کے لئے تشریف لائے۔ اسامہؓ نے عرض کیا۔ حضرت! یا آپ سوار ہو جائیں یا مجھے پیدل ہو جانے کی اجازت دیں تو فرمانے لگے: "بیٹا! نہ میں سوار ہوں گا نہ تم پیدل ہو گے۔ تم راہ خدا میں جہاد کے لئے جا رہے ہو۔ میں چاہتا ہوں تمہارے گھوڑوں کا اُڑایا ہوا غبار مجھ پر پڑ جائے اور میں بھی تمہارے اجر میں شامل ہو جاؤں۔"

جب لشکر کو رخصت کرنے لگے تو فرمایا "اللہ کا نام لے کر راہ خدا میں جاؤ۔ امانت میں خیانت نہ کرنا۔ مالِ غنیمت کو مت چھپانا۔ بدعہدی اور بے وفائی سے پرہیز کرنا۔ دشمنوں کے مُردوں کا حُلیہ مت بگاڑنا۔ بوڑھوں، بچوں اور عورتوں کو قتل نہ کرنا۔ سرسبز اور پھلدار درختوں کو مت کاٹنا اور کھانے کی ضرورت کے سوا جانوروں کو ذبح مت کرنا!"



زندگی اور موت کا فلسفہ

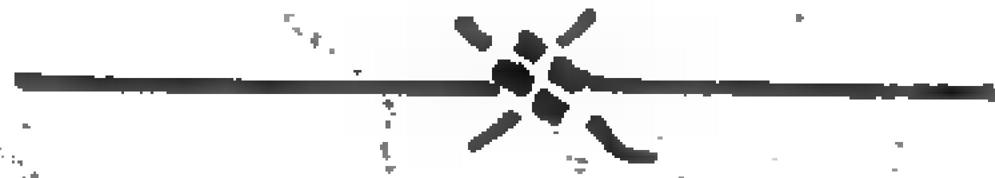
تجھ سے میں کیا بیاں کروں سرِ مقامِ مرگ و عشق
عشق ہے مرگِ باشرف، موت حیاتِ بے شرف

خالد رضی اللہ عنہ بن ولید (سیف اللہ) عہدِ صدیقی میں جب مدعیانِ نبوت اور مرتدین کی مہم سے فارغ ہو چکے تو خلیفۂ رسول ؐ کے حکم سے مثنّٰی بن حارثہ شیبانی کی مدد کے لئے عراق کی طرف کوچ کیا۔ منزل پر منزل مارتے اور راستے کے حکام کو مطیع کرتے سیدھے ابلہ جا پہنچے۔ اس مقام کو اپنا مرکز بنا کر انہوں نے عراق کے ایرانی حاکم ہرمز کو خط لکھا:

"اسلام قبول کر لو یا جزیہ ادا کرو، ورنہ تمہیں ایک ایسی قوم سے لڑنا پڑے گا جو موت کی اتنی ہی آرزومند ہے، جتنی تمہیں زندگی کی تمنا ہے۔"

ہرمز نے یہ خط شاہ ایران کو بھجوا دیا اور خود خالد کے مقابلہ کے لئے نکلا۔ کاظمہ کے مقام پر دونوں فوجیں آمنے سامنے ہوئیں۔ ایرانیوں نے اس میدان میں اپنے پیروں کو زنجیروں سے جکڑ لیا تھا تاکہ قدم

اکھڑنے نہ پائیں اور بھاگنے کا خیال تک نہ آسکے۔ لیکن سیف اللہ کی کاٹ نے اس تدبیر کو بھی خاک میں ملا دیا اور آہنی زنجیر کے ٹکڑے اُڑا دئے۔ میدان اہلِ اسلام کے ہاتھ رہا۔ ایرانیوں نے شکستِ فاش کھائی اور ہرمز مارا گیا۔



اَشھَدُ اَنَّ مُحَمَّدً رَسُولُ اللّٰہ

مسیلمہ بن کذاب ایک انتہائی ظالم شخص تھا۔ جو کوئی اس کی نبوّت سے انکار کرتا اُس پر سخت ظلم کرتا۔

ایک دفعہ حضرت حبیب بن زید انصاریؓ عمان سے مدینہ آ رہے تھے۔ کہ اس ظالم کے ہاتھ لگ گئے۔ اس نے اُن سے پوچھا۔ "محمدؐ کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے"۔

حضرت حبیبؓ نے جواب دیا "وہ خدا کے سچے رسولؐ ہیں"۔

مسیلمہ نے کہا۔ نہیں بلکہ یہ کہو "مسیلمہ خدا کا سچا رسول ہے"۔

حضرت حبیبؓ نے نہایت حقارت سے اس کی بات ٹھکرا دی۔

ظالم مسیلمہ نے ایک بھرپور وار سے اُن کا ایک ہاتھ شہید کر ڈالا۔ اور کہا کہ اب میری بات مانو گے یا نہیں۔

حضرت حبیبؓ نے جواب دیا۔ "ہرگز نہیں"۔ مسیلمہ نے اُن کا دوسرا ہاتھ بھی شہید کر ڈالا۔ اور کہا اب بھی میری رسالت تسلیم کر لو۔

اس عاشقِ رسُولُ اللہ نے کہا "ہرگز نہیں ہرگز نہیں

أَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا الرَّسُوْلُ اللّٰہ"ط

اب مسیلمہ نے غضبناک ہو کر حُبیبؓ کا ایک ایک بند کاٹنا شروع کر دیا۔ ظالم راہ حق میں ان کا رقص بسمل دیکھ کر قہقہے لگاتا تھا۔

حضرت حبیبؓ ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔ لیکن راہ تسلیم و رضا سے قدم نہ ہٹایا۔



خدا اور خدا کے رسولؐ پر لاکھوں جانیں قربان

شام کی مہمات کے دوران ایک لڑائی میں حضرت عبداللہ بن حذافہ رضؓ شام کے ظالم عیسائیوں کے ہاتھوں گرفتار ہو گئے عیسائیوں نے آپؓ کو انتہائی مجبور کیا کہ عیسائی مذہب قبول کر لو۔ لیکن آپؓ اس بات سے برابر منکر رہے۔ آخر عیسائیوں نے ایک دوسرے قیدی کو بلایا۔ اور اُسے بھی عیسائی مذہب اختیار کرنے کو کہا۔ اس کے انکار پر حضرت عبداللہ بن حذافہ رضؓ کے سامنے اس صحابی قیدی کو کھولتے ہوئے زیتون میں ڈال دیا۔ حضرت عبداللہ رضؓ اس مظلوم کا انجام دیکھ کر رونے لگے۔ عیسائیوں نے کہا۔ کہ اب موت سے ڈر کیوں رہے ہو۔ آپؓ نے فرمایا۔ کہ میں موت سے ڈر کر نہیں روتا۔ بلکہ اس بات پر روتا ہوں کہ خدا اور خدا کے رسولؐ پر قربان کرنے کے لئے میرے پاس صرف ایک جان ہے۔ کاش میری لاکھوں جانیں ہوتیں۔ اور میں انہیں راہِ حق میں نثار کرتا۔ عیسائی اُن کی قوتِ ایمانی دیکھ کر

دنگ رہ گئے۔ اور انہیں ہر ممکن طریقے سے اسلام ترک کرنے کی جدوجہد کرنے لگے۔ انہیں مال و دولت اور حسین عورتوں کا لالچ دیا۔ لیکن وہ ہر طرح ناکام رہے۔ بعد میں حضرت عبداللہؓ بن حذافہؓ نے بہ امر مجبوری عیسائی حاکم کی پیشانی چوم کر اسی مسلمان قیدیوں کو رہائی دلائی۔ آپؓ فرمایا کرتے تھے کہ میں ایک بے دین کی پیشانی اسی فرزندانِ توحید کی خاطر چومی۔ ورنہ میں ہرگز نہ چومتا۔



غیر مسلموں سے فیاضانہ سلوک

غیر مسلم رعایا سے جس فیاضانہ سلوک کا اسلام نے حکم دیا ہے اپنی اور اسلامی فوجوں کو دشمنوں کے ملک میں داخل ہو کر جس ضابطۂ اخلاق کا پابند اسلام نے بنایا ہے، اس کی مثال پیش کرنے سے تاریخ عالم قاصر ہے اور انشاء اللہ ابدالاباد تک قاصر ہی رہے گی۔

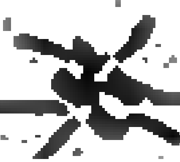
عہد صدیقی میں جب شام پر فوج کشی کا حکم ہوا تو خالدؓ بن ولید، یزید بن ابی سفیانؓ ابو عبیدہؓ بن جراح اور عمرؓو بن العاص کو علیحدہ علیحدہ دستوں کا سپہ سالار اور سب کے اوپر ابو عبیدہؓ کو امیر العسکر بنا کر روانہ فرمایا گیا۔ جب فوجیں روانہ ہوئیں، تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فوج کے افسروں کو ھدایت فرمائی:

"تم ایک ایسی قوم کو پاؤ گے جنہوں نے اپنے آپ کو خدا کی عبادت کے لئے وقف کر دیا ہے، اُنہیں مت چھیڑنا۔ میں تمہیں دس وصیتیں کرتا ہوں۔ کسی عورت، بچے اور بوڑھے کو قتل نہ کرنا۔ پھلدار درختوں کو مت کاٹنا، کسی آبادی کو ویران نہ کرنا، کھانے کی ضرورت کے سوا بکری اور اونٹ کو بے کار

ذبح مت کرنا، نخلستان نہ جلانا، مالِ غنیمت میں غبن نہ کرنا اور بزدلی مت دکھانا!"

حیرہ نامی مقام کے عیسائیوں نے جب اطاعت قبول کی تو عہد صدیقی میں جو معاہدہ اہلِ اسلام اور ان عیسائیوں کے درمیان ہوا تھا اس میں یہ الفاظ بھی تھے:

"ان کی خانقاہیں اور گرجے نہیں ڈھائے جائیں گے اور نہ کوئی ان کا کوئی ایسا محل گرایا جائے گا جس میں وہ بوقتِ ضرورت دشمنوں کے مقابلہ کے لئے قلعہ بند ہوتے ہیں۔ انہیں ناقوس بجانے کی ممانعت نہ ہو گی، اور نہ وہ اپنے مذہبی تہواروں میں صلیب نکالنے سے روکے جائیں گے۔"



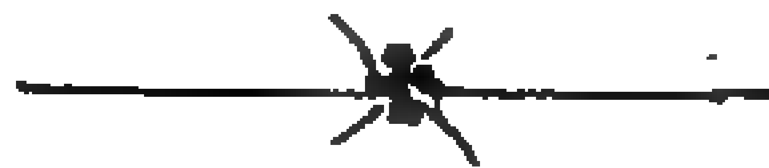
خدمتِ خلق کا جذبہ

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نہایت متواضع اور سادہ مزاج تھے۔ نہ صرف یہ کہ اپنے تمام کام خود ہی سرانجام دینے کی کوشش کرتے بلکہ گلی محلہ والوں تک کے کام کرنے میں عار محسوس نہ فرماتے تھے۔ ہمسایوں کی خدمت گذاری کا جذبہ یہاں تک تھا کہ بعض دفعہ اُن کے مویشی تک چراتے اور دُودھ دوہ دیتے تھے۔ جب خلیفہ ہوئے تو آپ کے پڑوس میں ایک لڑکی جس کی بکری کا دودھ آپ دوہا کرتے تھے، بہت متفکر ہوئی کہ اب ہماری بکری کا دودھ کون نکالے گا؟ آپ کو معلوم ہوا تو فرمایا:

"خلافت مجھے خلقِ خدا کی خدمت سے باز نہیں رکھ سکتی، یہ کام اب بھی میں ہی سرانجام دیا کروں گا۔"

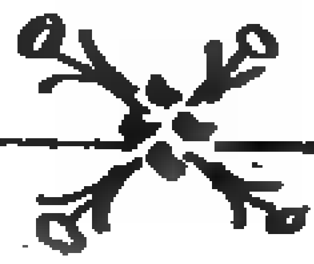
سچ ہے سَیِّدُ الْقَوْمِ خَادِمُھُمْ

ع سروری در دینِ ما خدمت گری است!



آقا کا جمال

حضرت سلمان فارسیؓ جب ملک الموت کے مرض میں مبتلا ہوئے تو ایک روز حضرت سعد بن ابی وقاص عیادت کیلئے گئے حضرت سلمانؓ زار و زار رونے لگے۔ حضرت وقاص رضؓ نے وجہ پوچھی۔ اور کہا "یہ رونے کا کونسا محل ہے۔ رسول کریمؐ تم سے راضی رخصت ہوئے۔ اب تو خلد بریں میں اپنے آقا سے ملاقات ہو گی" حضرت سلمانؓ نے جواب دیا "خدا کی قسم! میں موت سے نہیں گھبراتا۔ اور نہ مجھے دنیا کی خواہش ہے۔ بلکہ اس لئے روتا ہوں۔ کہ سرورِ کائنات نے مجھ سے عہد لیا تھا۔ کہ دنیا جمع نہ کرنا۔ اور دنیا سے اس طرح جانا جس طرح میں جاتا ہوں۔ اب میرے پاس اسباب جمع ہو گیا ہے۔ اور مجھے ڈر ہے کہ کہیں میں اپنے آقا کے جمال سے محروم نہ ہو جاؤں" یہ اسباب جس کی وجہ سے حضرت سلمان فارسیؓ گریہ و زاری کر رہے تھے۔ محض ایک بڑے پیالے، ایک لوٹے ایک بوسیدہ کمبل اور ایک تسلے پر مبنی تھا۔ تکیہ کی جگہ سر کے نیچے دو اینٹیں رکھی ہوئی تھیں۔



فاروقِ اعظمؓ کا زھد

عمرفاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں اسلام کو جو شان شوکت ملی، دوست دشمن سب جانتے ہیں۔ بادشاہوں کے جسم پر آپؓ کا نام سن کر کپکپی طاری ہو جاتی تھی اور وہ اپنے تخت پر آپ کی ہیبت سے قرار نہ پا سکتے تھے لیکن ان کی ذاتی زندگی امیرالمومنین ہونے کے بعد کس حال میں بسر ہوتی تھی؟ ایک درسِ عبرت ہے۔ آپ کے زمانۂ خلافت میں حضرت عثمانؓ، علیؓ، طلحہؓ اور زبیرؓ میں ایک مرتبہ مشورہ ہوا کہ جناب عمرؓ کے وظیفہ میں کچھ اضافہ کر دیا جائے، کیونکہ گذر اوقات میں تنگی ہو رہی تھی۔ ان حضرات نے خود یہ بات امیرالمومنین سے نہ کی بلکہ ام المومنین حضرت حفصہؓ کو ــــــ جو حضرت عمرؓ کی بیٹی تھیں اس بات کے لئے واسطہ بنایا۔ حضرتِ حفصہؓ نے جب یہ تجویز اپنے جلیل القدر باپ کے سامنے رکھی تو وہ ناراض ہوئے اور حضرت حفصہؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر صدیقؓ کی گذر بسر یاد دلا کر فرمایا کہ میری اور ان حضرات کی مثال یہ ہے کہ تین شخص ایک راہ پر چلے۔ پہلا شخص زادِ راہ لے کر منزلِ مقصود پر پہنچ گیا،

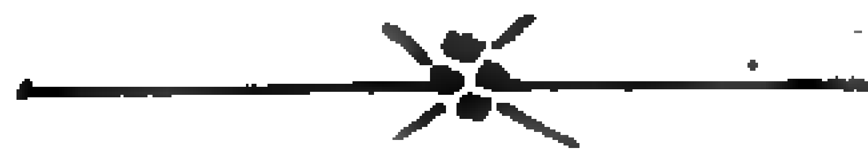
دوسرے نے بھی قدم بقدم پہلے کی پیروی کی اور اس کے پاس
جا پہنچا۔ اب تیسرے کی باری ہے، اگر وہ ان دو حضرات کے
نقشِ قدم پر چلے گا تو اُن کے پاس پہنچ جائے گا، ورنہ کبھی اُن
سے نہ مل سکے گا۔



زُھد کی ایک اَور مثال

جناب عمر رضؓ ایک مرتبہ مسجد نبویؐ میں خطبہ دے رہے تھے۔ آپ کے تہ بند میں بارہ پیوند تھے جن میں سے ایک پیوند چمڑے کا تھا۔ ایک دفعہ نماز جمعہ کے لئے دیر سے تشریف لائے اور صحابہؓ سے معذرت کی کہ میں نے کپڑے دھلوا رکھے تھے۔ ان کے سُوکھنے کا انتظار تھا۔ اور ان کے علاوہ اور کوئی جوڑا ہے نہیں!

ایک مرتبہ حضرت عتبہؓ آپ کے مہمان ہوئے۔ کھانا اتنا سادہ اور کھُردرا تھا کہ اُن سے کھایا نہ جاتا تھا۔ حضرت عمر فاروقؓ سے گزارش کی آپ چھنا ہُوا آٹا کیوں استعمال نہیں فرماتے تو انہوں نے جواب دیا کہ چونکہ تمام مسلمان میدہ نہیں کھا سکتے اور مَیں ساری لذّتیں اسی جہان میں ختم نہیں کر دینا چاہتا، اس لئے وہی کھانا پسند کرتا ہوں جسے رعایا کی اکثریت کھا سکے۔



بنا کردند خوش رسمے

خلافتِ فاروقیؓ میں ایرانیوں اور اہلِ اسلام کے جو مقابلے ہوئے، ان میں معرکۂ قادسیہ اور معرکۂ نہاوند بہت مشہور رہیں۔ جنگ نہاوند میں اہلِ ایران نے اپنی ساری طاقت جھونک دی تھی۔ اُن کا سالار مردان شاہ ایران کا تاریخی علَم درفشِ کادیانی لہراتا ہوا ایک جرّار لشکر لے کر بڑی شان و شوکت اور کرّ و فر سے نکلا۔ حضرت عمر فاروقؓ نے حالات کی نزاکت کے پیشِ نظر خود میدان میں جانے کا خیال ظاہر کیا مگر حضرت علیؓ نے اس ارادے کی مخالفت کی۔ اور آخر اُنہی کی رائے سے نعمانؓ بن مقرن کو ایک فوج دے کر مردان شاہ کے مقابلے میں بھیجا گیا۔ صلح کی گفتگو مردان شاہ کے تکبّر و نخوت کی وجہ سے ناکام ہوگئی اور نہاوند کے مقام پر گھمسان کا رَن پڑا۔ اسلامی سپہ سالار حضرت نعمانؓ بن مقرن زخموں سے چُور چُور ہو کر میدان میں گر گئے۔ زخم مُہلک تھے لیکن اُنہوں نے کسی کو اپنی تیمارداری کی اجازت نہ دی۔ اور اصرار کے ساتھ حکم دیا کہ جب تک لڑائی کا فیصلہ نہ ہو جائے کوئی شخص میری جانب توجہ نہ کرے۔ فوج کو حکم دیا کہ پوری قوت سے آگے بڑھے۔

نعمان کے گر جانے کے بعد اُن کے بھائی نعیمؓ نے اسلامی فوج کا علَم سنبھالا اور شدید حملہ کر کے ایرانی فوج میں بھگدڑ مچا دی۔ تیس ہزار ایرانی مارے گئے اور باقی سر پہ پاؤں رکھ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔

جنگ ختم ہوئی تو مسلمان اپنے سپہ سالار کی طرف متوجہ ہوئے۔ ان میں ابھی کچھ کچھ جان باقی تھی۔ لوگوں سے پوچھا:

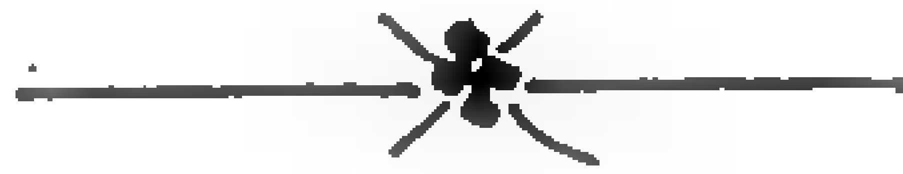
"مسلمانوں کا کیا انجام ہوا؟"

لوگوں نے فتح کی خوشخبری دی تو آخری لفظ جو زبان سے نکلے وہ یہ تھے۔

"الحمد للہ! حضرت عمرؓ کو فتح کی خبر پہنچا دو!"

یہ کہا اور جانِ شیریں جان آفریں کے سپرد کر دی ؎

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را



جنّت سے بھاگنا

حضرت فاروقِ اعظمؓ کے زمانہ میں معرکۂ اجنادین ہوا حضرت ہشام بن عاصؓ جو عمرو بن عاصؓ فاتح مصر کے بھائی بھی اس جنگ میں شریک ہوئے۔ عین لڑائی کے دوران ایک موقعہ ایسا آیا کہ مسلمانوں کے پاؤں اکھڑنے لگے یہ دیکھ کر آپؓ نے انتہائی جوش کی حالت میں اپنے سر سے خود اتار کر پھینک دیا۔ اور جوش سے باآواز بلند للکارے "مسلمانو! میں عاص کا بیٹا ہشام ہوں۔ اور رسول خدا کا ادنیٰ غلام۔ آؤ میرے ساتھ دشمنوں پر ٹوٹ پڑو۔

افسوس! کہ تم جنّت سے بھاگتے ہو۔ اور دوزخ مول لیتے ہو"

یہ کہہ کر انتہائی جوش سے زوردار حملہ کفّار پر کیا اور غنیم کی صفیں الٹ دیں۔ دشمنوں نے بالآخر آپؓ کو گھیرے میں لے کر شہید کر ڈالا۔



شیر سید بیتا ہے وقت رفتن آب میں

جنگ تستر (ایران) میں ایک دن دشمن نے زبردست حملہ مسلمانوں پر کیا۔ اور انہیں پیچھے دھکیل دیا۔ مسلمانوں کو حضرت براء بن مالک انصاری رضؓ کے متعلق سے آنحضور صلعم کی حدیث شریف یاد تھی۔ ان کے پاس آئے۔ "اور کہا آج قسم کھایئے کہ خدا ہمیں فتح دے گا"۔ براء نے فوراً کہا۔ "الٰہی میں تجھے قسم دیتا ہوں کہ مسلمانوں کو فتح دے۔ اور مجھے میرے آقا کی زیارت نصیب کر"۔ اس کے بعد فوج لے کر دشمنوں پر ایک خوفناک حملہ کیا جو سامنے آیا اسے مار گرایا۔ اس طرح دادِ شجاعت دیتے ہوئے قلعہ کے پھاٹک تک جا پہنچے۔ وہاں ہرمزان سے مقابلہ ہوا۔ جو سرتا پا لوہے میں غرق تھا۔ حضرت براء رضؓ نے اس کے ہاتھوں جام شہادت نوش کیا۔ لیکن حضرت براء رضؓ کا خون رائیگاں نہیں گیا۔ مسلمانوں نے ان کی شہادت کے بعد زوردار حملہ کیا کہ کفّار کے پاؤں

اکھڑ گئے۔ اور مسلمانوں کو فتح عظیم نصیب ہوئی۔ یوں اللہ تعالیٰ نے اپنے لاڈلے براء بن مالک انصاری کی قسم پوری کر دی۔

حضرت عمر فاروقؓ کا فرمان ہے کہ براءؓ "بلاؓ" ہیں۔ اور ان کو فوج کا افسر بنانا انتہائی خطرناک ہے۔ کیونکہ وہ نتائج و عواقب سے بے خبر ہو کر سیدھا ہی جاتا ہے۔ اور یہ خدا کا شیر ہے۔

"شیر سیدھا تیرتا ہے وقتِ رفتن آب میں"



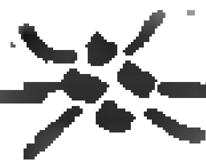
ہم تمہیں بادلوں سے بھی اُتار لائیں گے

خالدؓ سیف اللہ نے دمشق اور اردن کی فتح کے بعد شام کے اہم ترین شہر قنسرین کا محاصرہ کیا۔ اہلِ قنسرین اس صورت حال سے نپٹنے کے لئے کافی دیر سے تیاری کر رہے تھے۔ چنانچہ قلعہ بند ہو کر بیٹھ رہے۔ جب محاصرے نے طول کھینچا تو ایک دن حضرت خالدؓ بنفسِ نفیس شہر پناہ کے دروازے کے پاس پہنچے۔ اور زور زور سے دروازہ کھٹکھٹا کر آواز دی۔ فصیل کے برج سے محافظوں نے دیکھا، تو آنے کا سبب پوچھا۔ حضرت خالدؓ نے فرمایا کہ میں تمہارے حاکم یا اس کے نمائندے سے بات کرنا چاہتا ہوں۔ حاکم کا نمائندہ فصیل پر چڑھا تو حضرت خالدؓ نے اس سے فرمایا:

"تمہاری یہ حرکت بالکل فضول اور بے فائدہ ہے کہ محصور ہو کر قلعہ میں بیٹھ گئے ہو، واللہ! ہمارے پیش نظر نہ مالِ غنیمت حاصل کرنا ہے، نہ ملک فتح کرنا، ہم تو محض خدا کے نام کی سربلندی کے لئے یہاں آئے ہیں، ہم سے ہمارے پیغمبر کا وعدہ ہے ہم یہ ملک فتح کر کے رہیں گے۔

خدا کی قسم! اگر تم بادلوں میں بھی جا چھپو تو ہم تمہیں وہاں سے بھی نیچے اُتار لائیں گے۔ زر و دیا بدیہ تمہیں بخوشی یا بزور ہماری اطاعت قبول کرنا ہی ہوگی"

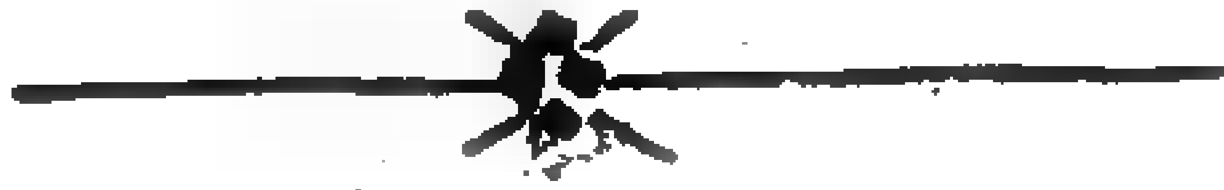
حاکم قنسرین کو جب یہ پیغام پہنچایا گیا تو وہ کانپ اُٹھا اور فوراً مشورہ کرنے کے لئے دربار آراستہ کیا۔ ایک بوڑھے پادری نے رائے دی کہ شہر کا دروازہ کھول دیا جائے اور مسلمانوں سے صلح کر لی جائے۔ مسلمانوں کے سپہ سالار نے جو کچھ کہا ہے یہ اس کا اپنا قول نہیں "مجھے اس میں اقوالِ نبوّت کی بُو آتی ہے"۔ چنانچہ اسی رائے پر عمل ہوا اور قنسرین پر بآسانی مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔



فتح و شکست کا راز

شام کے علاقے یکے بعد دیگرے مسلمانوں کے قبضے میں جب آنے لگے۔ دمشق، اُردن اور حمص فتح ہو گئے تو رومی جوش و خروش سے لبریز ہو کر ہرقل شاہِ روم کی خدمت میں فریاد لیکر پہنچے کہ مسلمانوں نے سارا ملک شام لتاڑ ڈالا ہے، ہمارے علاقے ایک سرے سے دوسرے سرے تک پامال ہو کر رہ گئے ہیں، کوئی طاقت مسلمانوں کے بے پناہ سیلِ بے پناہ کو روک نہیں سکتی، اس فریاد پر ہرقل نے اپنی سلطنت کے صائب الرائے پختہ کار لوگوں کو مشورہ کیلئے بلایا اور اُن سے دریافت کیا کہ عرب تم سے تعداد، اسلحہ اور دیگر ساز و سامان میں کم ہیں، پھر کیا وجہ ہے کہ تم ان سے مقابلہ نہیں کر سکتے؟ اس سوال پر سب کی گردنیں جُھک گئیں۔ ایک تجربہ کار شخص بولا کہ اہلِ عرب کے اخلاق ہمارے اخلاق سے بہتر ہیں، وہ رات کو عبادت کرتے اور دن کو روزہ رکھتے ہیں۔ کسی پر ظلم و ستم نہیں کرتے، آپس میں برابری کے ساتھ رہتے ہیں۔ اُن کے مقابلے میں ہمارا یہ حال ہے کہ ہم شراب پیتے ہیں، بدکاریاں کرتے ہیں، وعدہ کی پابندی نہیں کرتے اور دوسروں

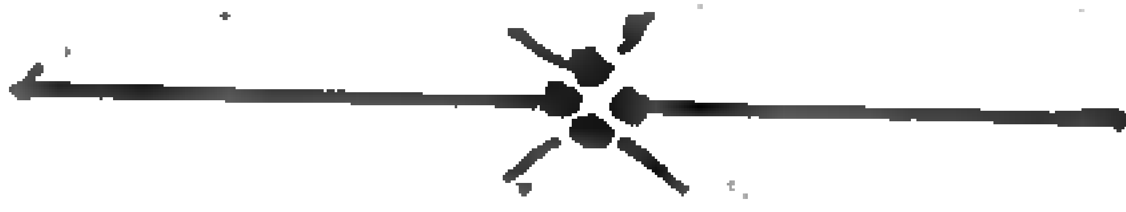
پر ظلم کرتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہمارا ہر کام جوش و استقلال سے خالی ہوتا ہے اور اہلِ عرب کے ہر کام میں جوش و خروش، پختگی اور ضبط و نظم ہوتا ہے۔



خدا تمہیں واپس لائے

اہلِ اسلام کی روز افزوں فتوحات اور اُن کے مقابلے میں رومیوں کی عاجزی دیکھ کر قیصرِ روم ہرقل نے شام چھوڑ جانے کا ارادہ کر لیا۔ اُدھر عیسائی رعیت جوق در جوق فریادی بن کر دربارِ شاہی کا رُخ کر رہی تھیں۔ اس صورتِ حال سے قیصر کو غیرت آگئی اور وہ پوری قوت سے مسلمانوں کا مقابلہ کرنے پر آمادہ ہو گیا۔ تمام مقبوضہ علاقوں میں فوجی نقل و حرکت اور لام بندی کے احکام جاری کر دیئے گئے۔ رومیوں کا ٹڈی دَل لشکر انطاکیہ میں جمع ہو گیا۔ اِسلامی افواج کے سپہ سالارِ اعظم ابو عبیدہ بن جرّاح کو جب یہ اطلاع مِلی تو تمام افسرانِ فوج کو مشورہ کے لئے بلایا۔ طے پایا کہ تمام منتشر فوجوں کو ایک جگہ جمع کر لیا جائے۔ چنانچہ دمشق میں اجتماع ہُوا۔ جن علاقوں سے فوجیں ہٹائی گئی تھیں چونکہ اب مسلمان ان مفتوحہ علاقوں کے عیسائیوں کی حفاظت نہیں کر سکتے تھے اس لئے صحابہؓ کے مشورہ سے جزیہ کی رقم ان غیر مسلم مفتوحین کو واپس کر دی گئی۔ اِس حسنِ اخلاق کا ان لوگوں پر اتنا اثر ہُوا کہ وہ رونے لگے اور اُن کے بوڑھے

عورتیں اور بچے دامن پسار پسار کر مسلمانوں کی واپسی کی دعائیں کر رہے تھے۔ وہ با آواز بلند کہہ رہے تھے۔ "اسی عدل و انصاف کے بل پہ کائنات قائم ہے، حکومت کے حقدار در حقیقت تم ہی لوگ ہو، خدا تمہیں فتح دے اور جلد واپس لائے"!



زخمی صحابہؓ کا ایثار

قادسیہ کی فتح نے اگر عراق کی قسمت کا فیصلہ اہل اسلام کے حق میں کر دیا تھا تو معرکہ یرموک نے شام کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے قیصرِ روم کے اقتدار سے آزاد کر دیا۔ یرموک اردن کے وسیع علاقہ میں ایک میدان تھا۔ جہاں اسلامی اور رومی فوجیں پنجہ آزما ہوئیں۔ رومیوں کی تعداد دو لاکھ تھی، جس میں سے نصف تعداد میدانِ جنگ میں لقمۂ اجل بن گئی۔ مسلمان کل تیس ہزار تھے، جن میں سے تین ہزار نے شہادت پائی، اس معرکہ کے ساتھ اہلِ اسلام کو کس قدر دلچسپی تھی، اس کا اندازہ اس امر سے ہو گا کہ اہل مدینہ ہر نماز میں رو رو کر فتح کی دعائیں کرتے تھے۔ امیر المومنین عمرؓ فاروق کئی دن تک یرموک کی خبر کے انتظار میں سو بھی نہ سکے - ہر وقت تشویش میں مبتلا رہتے تھے۔ اس جنگ میں ایک ہزار ایک سو صحابہؓ نے حصہ لیا تھا۔ جن میں ایک سو وہ بزرگ تھے، جنہیں غزوۂ بدر کی شرکت نصیب ہو چکی تھی۔ شجاعت، جانبازی، للّٰھیت اور جذبۂ ایثار ان حضرات میں کس قدر تھا۔ اس کا اندازہ اس قصہ سے

سے ہو گا جو حضرت ابو جہمؓ بن حذیفہ نے بیان فرمایا ہے۔ اُن کا بیان ہے کہ مَیں اس لڑائی میں اپنے چچا زاد بھائیؓ کی تلاش میں نکلا، میرے ساتھ پانی کا مشکیزہ بھی تھا۔ مَیں نے انہیں میدانِ جنگ میں دَم توڑتے پایا۔ جب انہیں پانی پلانے کا ارادہ کیا تو ایک دوسرے صاحب جو قریب ہی پڑے جان توڑ رہے تھے انہوں نے آہ کی۔ میرے چچا زاد بھائیؓ نے پانی پینے سے انکار کر دیا اور اشارے سے مجھے اُن دوسرے صاحب کی طرف پانی لے جانے کو کہا۔ مَیں اُن کے پاس گیا وہ ہشامؓ بن ابی العاص نکلے۔ میں انہیں پانی پلانے کو ہی تھا کہ قریب ہی سے ایک تیسرے صاحب کی آہ کی آواز سُنائی دی، ہشامؓ نے مجھے ان کی طرف جانے کا اشارہ کیا اور پانی نہ پیا جب میں اُن کے قریب پہنچا تو وہ شہید ہو چکے تھے۔ واپس ہشامؓ کے پاس آیا، تو وہ بھی جاں بحق ہو چکے تھے۔ آخر اپنے بھائیؓ کے پاس واپس آیا تو وہ بھی پیاسے ہی جنت کو سدھار چکے تھے۔



* دیکھئے صفحہ ۱۵۸

شہادت ہے مقصود و مطلوبِ مومن

ایرانی شہنشاہ یزدگرد نے جب دیکھا کہ مسلمانوں کے سیلِ بے پناہ کے سامنے ایرانیوں کے قدم کسی معرکے میں نہیں ٹکتے تو اس نے اپنی سلطنت کے مایہ ناز جنگ جو پہلوان رستم کو اہلِ اسلام کے مقابلے کے لئے نامزد کیا۔ رستم دل سے خائف تھا، چاہتا تھا کہ کسی طرح چھٹکارا ہو جائے اور مسلمانوں سے نہ لڑنا پڑے مگر بادشاہ کے اصرار پہ مجبور ہو گیا۔ اُدھر دربارِ خلافت سے کافی مشورہ اور غور و خوض کے بعد حضرت سعد بن ابی وقاص کو سپہ سالارِ افواج چُنا گیا۔ جناب فاروقِ اعظمؓ خود اس معرکہ میں جانے کا ارادہ رکھتے تھے لیکن اکابرِ صحابہ مثلاً حضرت علیؓ کی رائے سے انہوں نے یہ ارادہ منسوخ فرما دیا اور حضرت سعدؓ کو روانہ فرماتے وقت بڑی قیمتی نصیحتیں فرمائیں جنمیں خوفِ خدا اتباعِ حق اور اطاعتِ الٰہی پر زور دیا حضرت سعدؓ نے ایرانی سپہ سالار رستم کو جو خط لکھا اس میں یہ الفاظ بھی تھے: فان معي قوما يحبون الموت كما تحب الاعاجم الخمر "میرے ساتھ ایک ایسی جماعت ہے جو موت کو ایسا محبوب سمجھتی ہے جسطرح تم شراب کو محبوب رکھتے ہو! اللہ اللہ! ایسی قوم جس کا یہ ایمان ہو، دنیا میں کبھی مفتوح ہو سکتی ہے۔

عورتوں کی حیرت انگیز بہادری

شعرائے عرب میں خنساءؓ کو نہایت بلند مقام حاصل ہے۔ اہلِ علم انہیں دنیا بھر کی شاعر عورتوں کی سردار مانتے ہیں۔ بالخصوص مرثیہ گوئی میں ان کا جواب نہیں۔ زمانۂ جاہلیت میں انہوں نے اپنے بھائیوں صخرا اور معاویہ کے بڑے پُر درد اور زوردار مرثیے لکھے تھے۔ لیکن اسلام نے اس عظیم شاعرہ میں تبدیلی پیدا کی، اس کا اندازہ ذیل کی حکایت سے ہو گا۔ خنساء صحابیہؓ ہیں، حضورؐ نے اُن کے شعران کی زبان سے سُن کر پسندیدگی کا اظہار فرمایا تھا۔

جنگِ قادسیہ کے لئے جب حضرت عمرؓ فاروق نے شرکتِ عام کی منادی کرائی تو حضرتِ اپنے چاروں نوجوان بیٹوں سمیت میدانِ جنگ کو روانہ ہو گئیں۔ لڑائی سے پہلے اُنہیں ایک جگہ جمع کر کے پُرجوش تقریر کی جس میں فرمایا:

"میرے جگر گوشو! تم اپنی مرضی سے اسلام لائے ہو اور اپنی مرضی سے ہی ہجرت کی ہے۔ خدائے واحد کی قسم! میں نے نہ تو تمہارے باپ سے خیانت کی ہے اور نہ تمہارے

ماموؤں کو رسوا کیا۔ واللہ تم واقعی اپنے باپ کی اولاد ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نام پر لڑنے کا حکم دیا ہے اور دنیا کی فانی زندگی کو آخرت کی باقی زندگی پر قربان کر دینا ہی سعادت ہے۔ کل جب حق و باطل کا معرکہ قائم ہو، تو اٹھو خدا کی مدد پر بھروسا رکھتے ہوئے دلیری سے لڑائی کی بھڑکتی ہوئی آگ میں گھس جاؤ، کافروں کے سردار کا مقابلہ کرو۔ خدا نے چاہا تو جنت میں تمہاری مہمانی تیار ہے"۔

دوسرے دن چاروں نوجوان اپنی مجاہد ماں کی نصیحت کے مطابق میدان میں گھس گئے اور رجزیہ اشعار پڑھتے ہوئے یکے بعد دیگرے شہادت سے سرفراز ہو گئے۔ جب حضرت خنساءؓ کو ان کی شہادت کی خبر ملی تو فوراً بولیں:

"خدا کا شکر ہے کہ اس نے مجھے اُن کی شہادت سے بلند مرتبہ کیا۔ امید ہے رحمت خداوندی کے سائے میں میں بھی اُن کے ساتھ رہوں گی!"



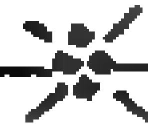
عزت اور ذلت کا پیمانہ

خلافتِ فاروقیؓ میں بیت المقدّس کی مہم حضرت عمروؓ بن العاص کے سپرد تھی۔ معرکۂ یرموک میں اہلِ اسلام کی عظیم فتح کے بعد رومیوں کی ساری توجہ بیت المقدس پر مرکوز ہوگئی۔ عمروؓ بن العاص نے بیت المقدس کا محاصرہ کیا۔ عیسائی قلعہ بند ہو کر مقابلہ کرنے لگے۔ اسی اثنا میں حضرت ابو عبیدہؓ ـــ اسلامی افواج کے سپہ سالارِ اعظم ـــ بھی عمروؓ بن العاص سے آملے۔ عیسائیوں نے کچھ عرصہ تک مقابلہ کیا لیکن اب ان کی ہمت جواب دے گئی تھی، لہٰذا انہوں نے اِس شرط پر صلح کے لئے آمادگی ظاہر کی کہ امیرالمومنین خود آکر معاہدۂ صلح مرتب کریں۔ حضرتِ عمرؓ فاروق کو ساری صورتِ حال کی اطلاع دی گئی تو آپ نے صحابہ کے مشورہ سے عیسائیوں کی اس شرط کو منظور کر لیا۔ حضرت عمرؓ نے مدینہ میں اپنا قائم مقام حضرت علیؓ کو بنایا اور خود سنہ ۱۶ھ میں بیت المقدس کو روانہ ہوئے۔ یہ سفر ان کی سادگی، خدا ترسی، جذبۂ محبت خلق اور اسلامی رُوح کے اظہار کی مُنہ بولتی تصویر تھا۔ صرف ایک غلام کو ساتھ لیا تھا۔ زادِ راہ کے طَور پر ستّو کی

تھیلی اور سواری کے لئے ایک اونٹ تھا۔ اسی اُونٹ پر باری باری سے آقا و غادم سوار ہوتے تھے۔ جابیہ کے مقام پر عیسائیوں کیساتھ وہ تاریخی معاہدہ ہؤا جو اسلامی رواداری، غیر مسلموں سے فیاضانہ برتاؤ اور اسلامی حکومت کی غیر مسلم رعایا کی حیرت انگیز مذہبی آزادی کی عظیم دستاویز کے طور پر مشہور ہے۔ مفتوحہ علاقے کے غیر مسلموں کو جان، مال اور مذہب تینوں چیزوں کا واضح تحفظ دیا گیا۔ معاہدہ کی تکمیل کے بعد امیر المومنین بیت المقدس روانہ ہوئے۔ اسلامی فوج کے افسروں نے شہر کے باہر آپ کا استقبال کیا۔ عیسائی رعایا مسلمانوں کے "بادشاہ" کو دیکھنے کے لئے اُمنڈ آئی تھی۔ جناب عمرؓ کا لباس اتنا معمولی اور فرسودہ تھا کہ مسلمانوں کو اُسے دیکھ کر اس خیال سے شرم آرہی تھی کہ غیر مسلم اُنہیں اس لباس میں دیکھ کر کیا کہیں گے! عمائدِ فوج نے ایک تُرکی گھوڑا اور قیمتی نئی پوشاک پیش کی لیکن جناب عمرؓ نے یہ کہہ کر دونوں چیزیں لوٹا دیں کہ:

> "اللہ تعالیٰ نے جو عزت ہمیں دی ہے، وہ اسلام کی وجہ سے ہے اور یہی عزت ہمارے لئے کافی ہے۔ کسی مصنوعی ٹھاٹھ اور جعلی عزت کی ضرورت نہیں ہے"!

چنانچہ وہ اسی لباس میں بیت المقدس میں داخل ہوئے۔ اُدھر عیسائی پادری راستے میں کھڑے آپ کے شہر میں داخلے کا نظارہ کر رہے تھے۔ انھوں نے گواہی دی کہ واقعی ہمارے مذہبی نوشتوں کے مطابق یہی شخص ہے جسے بیت المقدس کی کُنجیاں دی جانی چاہئیں تھیں۔ حق بحقدار رسید!



سیف اللہ کا جذبۂ حق

خالد بن ولید رضؓ نے اپنی جرأت و بسالت کی وجہ سے دربارِ نبوت سے سیف اللہ (شمشیرِ الٰہی) کا قابلِ فخر خطاب پایا تھا۔ ایران، عراق اور شام کی فتوحات میں انہوں نے عملی طور پر ثابت کر دیا کہ وہ ہر لحاظ سے "خدائی تلوار" ہیں۔ انہوں نے کسی معرکے میں شکست نہیں کھائی غیر مسلموں کے لئے اُن کا نام ہی خوف کا باعث تھا، وہ جس معرکے میں خالدؓ کی موجودگی کی خبر سُن لیتے، اُن کے حوصلے پست ہو جاتے۔ اُن کی جنگی مہارت، اُن کی شجاعت اور جان بازی تاریخ اسلام کے زریں باب بن چکے ہیں۔ لیکن ان سب باتوں سے ماوراء ان کا جذبۂ اطاعت بھی ایسا بے نظیر ہے کہ دنیا کی تاریخ شاید اس کی مثال پیش نہ کر سکے۔ عین میدانِ کارزار میں، دشمنوں کی سرزمین میں، دوپہر کی روشنی میں حضرت خالدؓ کی معزولی کا حکم دربارِ خلافت سے پہنچا۔ قاصد نے معزولی کے نشان کے طور پر اُن کی ٹوپی سر سے اُتار لی اور پگڑی گردن میں ڈال دی۔ حضرت خالدؓ نے اگر زبان سے کچھ کہا، تو صرف یہ کہ:

"میں نے اس حکم کو سُنا اور اطاعت کی۔ میں آئندہ بھی حکم ماننے اور خدمات بجا لانے کو تیار ہوں۔"

بعض تاریخی روایات کی بنا پر آپ نے یہ بھی فرمایا کہ:

"الحمدللہ اب میں ایک عام سپاہی کے طور پر زیادہ بہتر طریقے سے اسلام کی خدمت سرانجام دے سکوں گا۔"

حضرت عمرؓ نے سلطنت کے تمام علاقوں میں ایک گشتی مراسلہ بھجوایا تھا۔ جس میں لکھا تھا کہ:

"میں نے خالدؓ کو کسی ناراضگی یا خیانت کی وجہ سے معزول نہیں کیا ہے بلکہ اُن کے فوجی کارناموں کی وجہ سے لوگ فتنے میں مبتلا ہو رہے تھے اور خدشہ تھا کہ کہیں مسلمان خالدؓ پر ہی انحصار نہ کر لیں۔ میں نے انہیں اس لیے معزول کر دیا ہے تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ فتح و نصرت خدا کی طرف سے ہے اور ہم سب اس کے بندے ہیں۔"

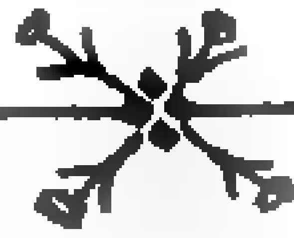


امارت میں فقیری

حضرت حذیفہؓ بن یمان رضؓ کو جب حضرت عمر فاروقؓ نے
مدائن کی ولایت سپرد کی۔ تو وہ مدائن میں اس شان
سے داخل ہوئے۔ کہ ایک خچرؓ پہ سوار تھے۔ جس پہ زین بھی نہ تھی
اور حقیر سا لباس زیبِ تن تھا۔ معززین شہر استقبال کیلئے
جمع تھے۔ حضرت حذیفہؓ اُن کے پاس سے گزر گئے۔ اور
انہیں خبر بھی نہ ہوئی کہ والئی مدائن شہر کے اندر پہنچ گئے
ہیں۔ کافی دیر گزر گئی تو معززینِ شہر نے مسلمانوں سے دریافت
کیا کہ والیِٔ شہر آنے والے تھے۔ ابھی تک کیوں نہیں
پہنچے۔ مسلمان بولے۔ وہ تو کافی دیر ہوئی تمہارے سامنے
سے گزر گئے ہیں۔ اکابرینِ شہر حیران رہ گئے۔ کچھ دیر بعد
حضرت حذیفہؓ نے مسلمانوں اور اہل مدائن کو جمع کیا۔ اور اُن
کے سامنے خلیفۃ المسلمین کا فرمان پڑھا۔ اس میں لکھا تھا۔
"حذیفہؓ بن یمان تمہارے امیر مقرر کئے گئے ہیں۔ ان کا

حکم سنو اور ان کی اطاعت کرو۔ اور یہ جو کچھ تم سے طلب کریں ان کو دو۔ جب وہ فرمان پڑھ چکے تو چاروں طرف سے آوازیں بلند ہوئیں "آپ اپنی ضروریات بیان کریں۔ ہم انہیں پورا کریں گے"۔

حضرت حذیفہؓ مقام فقر کی معراج پر تھے۔ فرمایا "مجھے صرف اپنے پیٹ کے لئے کھانا اور خچر کے لئے چارہ چاہیئے جب تک میں یہاں رہوں گا۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں مانگوں گا" اور واقعی حضرت حذیفہؓ نے اپنا قول پورا کر دکھایا۔ جب تک مدائن میں رہے امارت میں فقیری کی شان رہی۔



اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

حضرت عمر فاروقؓ حمص کے برسر آوردہ لوگوں سے ایکبار وہاں کے فقراء و مساکین کی فہرست تیار کر کے لانے کو کہا تاکہ اُن کی گذر اوقات کا بندوبست کیا جا سکے۔ جب فہرست تیار ہو کر فاروق اعظمؓ کے پاس پہنچی تو سر فہرست حضرت سعید بن عامرؓ حاکم حمص کا نام درج تھا۔ آپؓ نے پوچھا۔ کہ یہ سعید بن عامرؓ کون ہیں۔

لوگوں نے جواب دیا "ہمارے امیر"۔

امیر المومنین نے حیران ہو کر پوچھا "اُن کو جو تنخواہ ملتی ہے اس کا کیا کرتے ہیں"۔ لوگوں نے کہا "جو کچھ انہیں ملتا ہے دوسرے حاجتمندوں پر صرف کر دیتے ہیں"۔

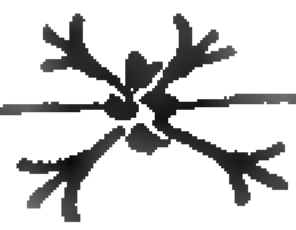
یہ سُن کر فاروقِ اعظم چشم پُرآب ہو گئے۔ پھر اپنے خط کے ساتھ انہیں ایک ھزار دینار بھیجے اور کہلا بھیجا کہ اسے آپ اپنی ضرورتوں پر خرچ کریں۔ جب قاصد نے رقم سعید بن عامرؓ کو دی تو بے

اختیار ان کی زبان سے نکلا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن ط

بیوی کے کانوں میں یہ آواز پہنچی۔ تو دوڑی آئی۔ اور پوچھا۔ "کہ خیر تو ہے۔ کیا امیر المومنین نے وفات پائی"۔ بولے نہیں۔ اس سے بھی بڑا واقعہ ہے۔ بیوی نے پوچھا "کیا قیامت کی کوئی نشانی دکھائی دی"۔ فرمایا اس سے بھی اہم واقعہ پیش آیا ہے۔ بیوی بولی۔ آخر کچھ تو بتلائیے کیا معاملہ ہے۔

حضرت سعیدؓ نے فرمایا "یہ دیکھو دنیا فتنوں کو لے کر میرے گھر میں داخل ہو گئی ہے"۔ بیوی نے جواب دیا۔ "تو آپ پریشان کیوں ہو گئے۔ اس کے تدارک کی کوئی تجویز سوچیں"۔

حضرت سعیدؓ نے ساری رقم ایک توڑے میں ڈال دی اور خود نماز کے لئے کھڑے ہو گئے۔ ساری رات عبادت میں گذار دی۔ صبح ہوئی تو اسلامی فوج اُن کے گھر کے سامنے سے گزری۔ آپؓ نے وہ تمام رقم توڑے سے نکال کر مجاھدین میں تقسیم کر دی۔



نماز کے بغیر آدمی کس کام کا؟

۲۸ ذوالحجہ ۲۳ھ کو نماز فجر میں حضرت عمرؓ فاروق پر ایک مجوسی غلام ابو لؤلؤہ فیروز نے قاتلانہ حملہ کرکے چھ کاری زخم لگائے۔ وہ اس مذموم مقصد کے لئے پہلے سے محراب میں چھپا بیٹھا تھا جونہی حضرت عمرؓ نے نماز کی نیّت باندھ کر سورۂ فاتحہ کی قرأت شروع کی، اُس نے محراب سے نکل کر آن کی آن میں آپ کو زخمی کرکے گرا دیا۔ عبدالرحمٰن بن عوف نے فوراً آگے بڑھ کر مختصر نماز پڑھائی۔ قاتل نے بھاگنے کی کوشش میں کئی اور صحابہؓ کو زخمی کیا۔ اور آخر جب دیکھا کہ گرفتار ہو گیا ہے تو خودکشی کر لی۔ جناب عمرؓ کو اُٹھا کر اُن کے گھر لایا گیا۔ ہوش میں آئے تو سب سے پہلی بات یہ کی کہ "نماز کا وقت ہے؟" لوگوں نے کہا ہاں! فرمایا مجھے قبلہ رُخ کر دو۔ اسی حالت میں نماز ادا کی اور فرمایا۔ خدا کا شکر ہے کہ اُس نے مجھے یہ فرض ادا کرنے کی توفیق دی، بھلا نماز کے بغیر آدمی کس کام کا ہے؟ پھر پوچھا: "میرا قاتل کون ہے؟" لوگوں نے اس مجوسی غلام کا نام لیا تو فرمایا: "الحمد للّٰہ! میرا قاتل کوئی مسلمان نہیں! ورنہ میرے قتل کی وہ جہنم کا ایندھن بنتا۔"



مُجاہدینِ اِسلام کی صفات

فاتح مصر عمروؓ بن العاص نے جب مصر کے مشہور قلعے بابلیون کا ۲۰ھ میں محاصرہ کیا تو یہ وقت دریائے نیل کی طغیانی کا تھا۔ قلعہ بہت مضبوط تھا، اس کی فصیل میں شگاف بھی نہیں پڑ سکتا تھا۔ اور اسلامی فوج کے پاس قلعہ شکن آلات بھی بہت کم تھے۔ ان وجوہات کے باعث قلعے کا محاصرہ طویل ہو گیا۔ جب حاکم مصر مقوقس نے آٹھ ماہ کے حصار کے بعد دیکھا کہ اسلامی فوج صبر و ثبات میں بے مثال ہے تو وہ اپنے کچھ اعزّا اور اہل و عیال سمیت اس قلعہ سے جزیرہ روضہ میں منتقل ہو گیا اور وہاں سے صلح کے لئے سلسلۂ جنبانی کرنے لگا۔ اُس نے حضرت عمروؓ بن العاص کو خط لکھا کہ :

"تم ہماری سرزمین پر چڑھ آئے ہو اور کافی مدت سے یہیں مقیم ہو، میں دیکھ رہا ہوں کہ تمہاری تعداد کم ہے۔ اگر اہلِ روم نے ـــــ جن کے میں ماتحت ہوں ـــــ تم پر چڑھائی کر دی تو سوائے ندامت کے تمہارے ہاتھ کچھ نہ آئیگا، بہتر یہ ہے کہ تم ہمارے پاس اپنے سفیر بھیجو، ممکن ہے ہم لوگ

اُن سے گفتگو کے بعد کسی اچھے نتیجے پر پہنچ جائیں اور خونریزی رُک جائے۔"

عمرؓو بن العاص نے بحکم امیر المومنین عمرؓ فاروق، مقوقس شاہِ مصر کو لکھا؛

"ہمارے تمہارے درمیان صرف تین شرائط ہیں، ان میں سے جو پسند ہو مان لو؛

ا: تم اسلام قبول کر کے ہمارے بھائی بن جاؤ اور ہمارے تمہارے حقوق و فرائض برابر ہو جائیں۔

ب: اگر تمہیں اسلام سے انکار ہے تو جزیہ ادا کر کے ہماری حمایت میں آجاؤ۔ ہم تمہاری جان و مال اور عزت و آبرو کے محافظ ہوں گے۔

ج: اگر یہ بھی منظور نہ ہو تو میدانِ قتال میں نکلو، اللہ تعالیٰ ہمارے تمہارے درمیان بہترین فیصلہ کر دے گا۔"

مقوقس کے ایلچی سپہ سالارِ اسلام کا پیغام لے کر واپس گئے، تو اُن سے اُس نے مسلمانوں کے حالات کرید کرید کر پوچھے۔ اُن کا جواب یہ تھا کہ "ہم نے ایک ایسی قوم دیکھی ہے جو موت کو زندگی سے زیادہ محبوب سمجھتی ہے، اُن کے ہاں تواضع تکبّر سے زیادہ پسندیدہ ہے، وہ دنیا پر نہ حریص ہیں، نہ اُس کے لئے ایک دوسرے پر پیشقدمی کرتے ہیں وہ مٹی پر بیٹھ جاتے ہیں اور اُن کا امیر اُنہی کا ایک فرد

ہے، ان میں بڑھیا اور گھٹیا کا کوئی سوال نہیں اور نہ آقا و غلام کی تمیز ہے، جب نماز کا وقت آتا ہے، تو سب جمع ہو جاتے ہیں، کوئی پیچھے نہیں رہتا۔ وہ اپنے ہاتھ مُنہ پانی سے دھوتے ہیں، وضو کرتے ہیں، اور نماز میں بہت عاجزی کرتے ہیں! شاہِ مصر نے جب یہ کلام سُنا تو مرعوب ہو گیا اور فوراً صلح پر آمادہ ہو گیا۔



قِلّت و کثرت

قرآن پاک کا ارشاد ہے:

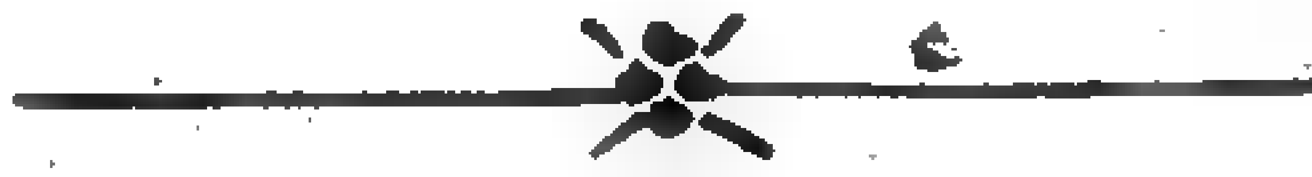
كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً بِاِذْنِ اللّٰهِ ط وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ○

"بحکم خداوندی بہت سے چھوٹے گروہ بڑی جماعتوں پر غالب آتے ہیں۔ اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے"

اس آیت کے مطابق اسلام تعداد کی قلّت یا کثرت پر فتح و نُصرت کا مدار نہیں رکھتا۔ یہ چیز اس کے نزدیک ثانوی حیثیت رکھتی ہے، اصل اہمیت ایمان اور اخلاق کی بلندی کو حاصل ہے۔ اسلامی تاریخ ایسے سینکڑوں، ہزاروں واقعات پیش کر سکتی ہے کہ اہل اسلام کی تعداد کفار کے مقابلے میں آٹے میں نمک کے برابر بھی نہ تھی لیکن پھر بھی خدا کے فضل سے فتح اہلِ اسلام کو حاصل ہوئی۔ خلافتِ راشدہ کی فتوحات ایسے واقعات سے پُر ہیں۔ جنگِ یرموک کے ایک معرکے میں خالدؓ بن ولید کی زیرِ قیادت ساٹھ صحابہؓ نے بنو غسان کی ساٹھ ہزار فوج کا

نہایت بے جگری سے مقابلہ کر کے دشمنانِ اسلام دھاک بٹھا دی تھی۔ اکثر صحابہؓ خالدؓ کی اس تجویز کے پہلے پہل خلاف تھے لیکن خالدؓ کے دلائل سے انہیں قائل ہونا پڑا۔ خالدؓ نے مشورے کے دوران میں اپنی تجویز کے حق میں یہ دلیل بھی پیش کی تھی کہ میں ایک کا مقابلہ ایک ہزار سے کرا کے یہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ آیا ہم وہ ایماندار ہیں یا نہیں جن کی پشت پناہی خود اللہ تعالےٰ کرتا ہے۔" یہ غسانی عیسائی عربی النسل تھے۔ اور رومیوں نے اس مثل کے مطابق کہ "لوہا لوہے کو کاٹتا ہے" خود مقابلے سے گریز کرتے ہوئے انہیں آگے کر دیا تھا۔ اِن غسانیوں کا سردار جبلہ بن ایہم تھا۔ جو بڑے طمطراق سے ایک بڑی جماعت سمیت مسلمان ہو کر مدینہ ہی میں رہائش پذیر ہو گیا تھا۔ لیکن ایک عرب مسلمان کو بلا وجہ حج کے موقعہ پر تھپڑ مار دینے کی وجہ سے جناب عمرؓ نے فیصلہ فرمایا تھا کہ یا اس مسلمان سے معافی مانگو یا قصاص دو۔ جبلہ مہلت مانگ کر رات کی تاریکی میں فرار ہو گیا تھا۔ اور حدودِ عرب سے باہر جا کر مرتد ہو گیا تھا۔ غرض جنگِ یرموک اس معرکے میں صرف دس مسلمان شہید ہوئے اور پانچ دشمنوں کے ہاتھوں گرفتار ہو گئے۔ کیونکہ میدانِ جنگ میں اُن کے ہتھیار ناکارہ ہو گئے تھے۔ اِن قیدیوں کو خالدؓ بن ولید بزورِ شمشیر نہایت ہوشیاری سے چھڑا لائے تھے۔ غسانی پانچ ہزار مارے گئے اور زخمیوں کی تعداد ان کے علاوہ تھی۔ اس حیرت انگیز

اور بے مثال جرأت کی وجہ سے اہلِ اسلام کی ہیبت دشمنانِ اسلام پر چھا گئی اور خالدؓ کا نام تو اُن کے لئے ایک ہوّا بن گیا جس میدان میں خالدؓ کی موجودگی کا اُنہیں علم ہو جاتا، اُن کی ہمتیں جواب دے جاتیں اور جنگ سے پہلے ہی پاؤں تلے سے زمین نکلتی ہوئی محسوس ہوتی۔



میں رسولِ خدا کے پاس جا رہا ہوں

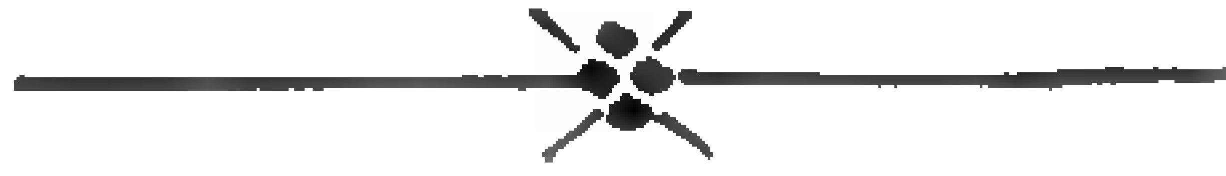
معرکۂ یرموک میں جب پے در پے ذلت آمیز شکستوں کا سامنا ہوا تو رومی سپہ سالار ماہان بوکھلا اٹھا اور اس نے شاہِ روم سے مزید کمک طلب کی۔ اس خبر کو پاکر سپہ سالارِ افواجِ اسلام ابو عبیدہؓ نے بھی دربارِ خلافت سے امداد کی درخواست کی۔ فریقین اپنی اپنی کمک کے انتظار میں پڑے رہے اور لڑائی عملی طور پر چند دن کے لئے از خود بند ہو گئی۔ اس کی بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ مسلمان لڑائی میں پہل نہ کرتے تھے اور اگر فریقِ مخالف میدان میں نہ نکلتا تو اس پر حملہ آور ہونا شانِ شجاعت کے خلاف جانتے تھے۔ چنانچہ جنگِ یرموک میں بھی یہی صورتِ حال پیش آئی۔ آخر چند دن کے بعد دونوں طرف سے تازہ دم فوجیں میدان میں آپہنچیں۔ رومیوں کا نو وارد لشکر مور و ملخ کی مانند تھا۔ اور مسلمان صرف سات ہزار کی تعداد میں آئے تھے۔ ماہان نے کمک پہنچ جانے پر بھی لڑائی سے گریز کی پالیسی پر عمل جاری رکھا۔ دراصل وہ فریب سے شب خون مارنا چاہتا تھا۔

چنانچہ ایک دن بالکل صبح سویرے جب اسلامی لشکر جنگ کے لئے قطعاً تیار نہ تھا، بے پناہ رومی سپاہ اسلامی لشکر پر اچانک ٹوٹ پڑی۔ خالدؓ بن ولید فی الفور پانچ سو سواروں کا دستہ لے کر مقابلے میں ڈٹ گئے۔ اور جب تک اسلامی لشکر باضابطہ لڑائی کے لئے تیار نہ ہوا، دشمن کو روکے کھڑے رہے۔ جب فوجیں آمنے سامنے ہوئیں تو قبیلہ آزد کا ایک نوجوان سپہ سالار ابو علبیدہؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر یوں اجازتِ قتال طلب کرنے لگا کہ اے سپہ سالارِ امیر المومنین! میرا پیمانۂ صبر لبریز ہو چکا ہے مجھے قتال کی اجازت دیجئے۔ میں عنقریب رسول اللہ صلی علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہُوا چاہتا ہوں، اگر آپ کو کوئی پیغام دینا ہو تو وہ بھی کہہ دیجئے!

ابو علبیدہؓ اس نوجوان کی گفتگو سے آبدیدہ ہو گئے اور فرمایا:

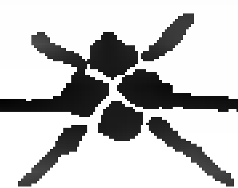
"اے نوجوان! جا اللہ تیری آرزو پوری کرے۔ جب حضورؐ کی خدمت میں حاضری کا شرف حاصل ہو تو ہماری طرف سے سلام کے بعد عرض کیجو کہ اے رسولؐ برحق! ہم آپ کے طریقے پر برابر چل رہے ہیں۔ جو جو وعدے آپؐ نے فرمائے تھے پورے ہو چکے ہیں!"

یہ ازدی نوجوان میدان میں نکلا اور اس وقت کے دستور کے مطابق مخالف فوج سے مدِ مقابل طلب کیا۔ یکے بعد دیگرے چار دشمن مقابلے پہ آئے اور چاروں آن کی آن میں جہنّم رسید ہو گئے۔ آخر پانچویں جنگجو کے ہاتھوں اس نوجوان نے جامِ شہادت نوش کیا۔ اس نوجوان کی شہادت نے میدانِ قتال گرم کر دیا۔ اور گھمسان کی جنگ شروع ہو گئی۔



کیا آپ میری زندگی میں کمی بیشی کر سکتے ہیں؟

جنگِ یرموک کے ایک معرکے میں عام لڑائی شروع ہونے سے پہلے انفرادی لڑائی شروع ہوئی تو مخالف فوج سے ایک آزمودہ کار جنگجو ڈکارتا ہوا نکلا اور دونوں لشکروں کے درمیان کھڑا ہو کر مبارز طلب کرنے لگا۔ اسلامی فوج سے قیسؓ بن ہبیرہ امیرِ لشکر کی اجازت سے نکلے اور اس بہادر سے گتھم گتھا ہو گئے پہلے نیزہ بازی اور پھر شمشیر زنی کے کرتب دونوں جوانوں نے دکھائے۔ دورانِ قتال میں قیسؓ کی تلوار گر کر ٹوٹ گئی تو انہوں نے فوراً خنجر سونپ لیا۔ خالدؓ سیف اللہ نے جب قیسؓ کو اس حال میں دیکھا تو پکار کر واپس آنے کو کہا۔ قیسؓ نے باآوازِ بلند جواب دیا۔ "کیا آپ میری زندگی میں کمی بیشی کر سکتے ہیں؟" اتنے میں عبدالرحمٰنؓ بن ابی بکرؓ اپنے سپاہی کو دوسری تلوار دینے کے لئے میدان میں پہنچ گئے۔ مخالف فوج نے یہ سمجھ کر کہ یہ نیا آنے والا بھی لڑنے کی نیت سے نکلا ہے۔ دو سپاہی فوراً میدان میں اتار دیئے۔ چند لمحوں میں تینوں رومیوں کی لاشیں خاک و خون میں تڑپتی ہوئی نظر آئیں اور دونوں مجاہد اسلامی لشکر کے نعرہ ہائے تکبیر و تحسین کا جواب مسکراہٹ سے دیتے ہوئے اپنی صفوں میں آکھڑے ہوئے۔



سَیفُ اللہ کی قوّتِ بازو

رومی لشکر نے آزما کر دیکھ لیا کہ نیزہ و شمشیر کی انفرادیؔ اجتماعی جنگ میں جب مسلمانوں کا پلّہ بھاری ہے تو اُن کے سپہ سالار ہامانؔ نے جنگ یرموکؔ کے چوتھے معرکے میں ایک لاکھ تیراندازوں کا ٹڈی دل میدان میں اُتار دیا۔ ان سب نے بیک وقت تیراندازی شروع کر دی جس سے اسلامی لشکر کو سخت نقصان پہنچا۔ سینکڑوں مجاہدین کی آنکھیں ضائع ہو گئیں۔ یہ دن یرموکؔ کے معرکوں میں سخت ترین دن ثابت ہوا۔ تیراندازوں کا سیلاب بڑھا چلا آ رہا تھا یہ صورتِ حال دیکھ کر خالدؓ بن ولید، عمرؓ بن العاص زبیرؓ بن العوام، شرجیلؓ بن حسنہ اور ضرار بن ازور جانبازوں کی ایک جماعت سمیت تیروں کی بارش میں آگے بڑھے اور رومی لشکر کے سمندر میں غرق ہو گئے۔ ان لوگوں نے تیراندازوں کے اندر گھس کر ایسا شدید حملہ کیا کہ لاشوں سے میدان پٹ گیا اور کشتوں کے پشتے لگ گئے۔ خالدؓ سیف اللہ نے اس دن جانبازی کے خوب خوب جوہر دکھائے۔ ان کے ہاتھ میں اُس دن نو تلواریں ٹوٹیں۔ جانبازوں کا یہ طوفانی دستہ رومی تیراندازوں کو دھکیلتا ہوا اُن کی قیام گاہ تک لے گیا۔ چالیس ہزار دشمن مارے گئے اور باقیماندہ فوج کے حوصلے پست ہو گئے۔ اس معرکے کے بعد رومیوں کو اجتماعی تیراندازی کا حوصلہ نہ ہوا اور اُن کا پلّہ جھکتا ہی چلا گیا۔ حتّٰی کہ اُن کی شکست مکمل ہو گئی۔



مٹّی کی ٹوکری

فاتح ایران سعدؓ بن ابی وقاص نے جنگ قادسیہ سے قبل جناب امیر المومنین عمرؓ فاروق کے حکم سے شاہِ ایران یزدگرد کے دربار میں ایک سفارت بھیجی تاکہ لڑائی سے قبل اس پر اتمامِ حجت ہو جائے۔ اس وفد کے ممبر چند تجربہ کار جنگ آزما حضرات تھے۔ شاہِ ایران نے اپنے ٹھاٹھ باٹھ اور درباری رکھ رکھاؤ سے ان لوگوں کو مرعوب کرنا چاہا مگر یہ حضرات نہایت بے تکلفی سے سپاہیانہ انداز میں بادشاہ تک پہنچے۔ گفتگو شروع ہوئی۔ تو شاہِ ایران نے غرورِ شہنشاہی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان حضرات کے ساتھ حقارت آمیز سلوک کیا اور انہیں زمانہ جاہلیت کا عربی انتشار یاد دلایا کہ تم ایک جاہل، وحشی اور احمق قوم ہو تمہاری تعداد بھی کم ہے اور سامانِ جنگ بھی تمہارے پاس ناکافی ہے۔ حضرت قیسؓ بن زرارہ نے اُسے جواب دیا کہ "واقعی اسلام سے قبل ہمارا وہی حال تھا جو آپ نے بیان کیا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر برحق کے ذریعے سے ہمیں ہدایت دی۔ اب ہم مسلم ہیں اور پیغمبر کے وعدوں کے مطابق زمین اپنے خزانے ہمارے سامنے اُگل رہی ہے، ہم آپ کی سرزمین فتح کر کے رہیں گے۔ آپ کے سامنے تین راستے کُھلے ہیں۔ اسلام،

جزیہ یا جنگ"۔

اس برجستہ تقریر سے یزدگرد کے تن بدن میں آگ لگ گئی اور وہ سخت برافروختہ ہُوا۔ اس نے کہا اگر سفیروں کا قتل جائز ہوتا تو میں تم لوگوں کو یقیناً مروا ڈالتا۔ پھر اپنے ملازموں کو حکم دیا کہ ایک ٹوکری مٹی سے بھر لاؤ اور جو شخص اس وفد کا سردار ہے اس کے سر پر رکھ کر انہیں مدائن سے نکال دو!

شاہی حکم کی فوراً تعمیل ہوئی اور مٹی کی بھری ہوئی ٹوکری آگئی۔ بادشاہ غصے سے دیوانہ ہو رہا تھا۔ کہنے لگا ہمارا سپہ سالار رستم تمہیں بہت جلد قادسیہ کی خندق میں دفن کر دے گا۔

وفد کے ایک ممبر نے جواب دیا کہ فتح و شکست اللہ کے قبضے میں ہے اور آگے بڑھ کر حضرت عاصمؓ بن عمر نے وہ ٹوکری اپنے کاندھے پر اُٹھا لی۔ اسی شان سے یہ حضرات شاہی دربار سے نکلے اور مٹی کی ٹوکری گھوڑے پر رکھ کر سپہ سالار سعدؓ بن ابی وقاص کے پاس جا پہنچے۔ مٹی کی ٹوکری اُن کی خدمت میں پیش کی اور کہا کہ مُلکِ ایران کی فتح مبارک ہو، اللہ تعالیٰ نے اُن کے ملک کی مٹی ہمیں عطا کی ہے۔ انشاء اللہ ہم کامیاب ہوں گے۔

بعض روایات میں ہے کہ وفد کے ایک ممبر حضرت مغیرہؓ بن شعبہ نے شاہِ ایران سے رخصت ہوتے وقت فرمایا تھا کہ "آپ کا شکریہ! اس قدر تو مٹی آپ نے خود دے دی ہے۔ باقی ہم انشاء اللہ بزورِ شمشیر خود لے لیں گے۔



تلوار کو نہیں، بازو کو دیکھو

جنگِ قادسیہ کے باقاعدہ شروع ہونے سے پہلے ایرانی فوج کے سپہ سالار رستم نے حضرت سعدؓ بن ابی وقاص سے کہلا بھیجا کہ اسلامی فوج کا کوئی سفیر بھیجئے، ممکن ہے ہم مصالحت پر آمادہ ہو جائیں۔ حضرت سعدؓ نے ربعیؓ بن عامر کو روانہ فرمایا۔ رستم نے اپنی شان و شوکت اور طمطراق کا پورا مظاہرہ کیا تھا۔ دور تک قالین بچھے تھے۔ ریشمی پردے اور مکلّف فرش آراستہ تھے۔ زرق برق لباس والے چاق و چوبند سپاہی صف بستہ کھڑے تھے۔ رستم سونے کے تخت پر بیٹھا تھا۔ اس کے تکیوں اور شامیانوں کی جھالروں میں قیمتی موتی جگ مگ جگ مگ کر رہے تھے حضرت ربعیؓ بن عامر نے بڑی بے پروائی سے اس سارے سامانِ تجمّل سے گزرے۔ اپنا گھوڑا ایک گاؤ تکیئے سے باندھا اور پوری شانِ استغناء سے سیدھے رستم کے تخت پر اس کے برابر میں جا بیٹھے۔ دربار میں شور مچ گیا۔ چوبداروں نے حضرت ربعیؓ کو نیچے اتارنا چاہا تو انہوں نے فرمایا۔ "میں تمہارا بلایا ہوا آیا ہوں، از خود نہیں آیا۔ اگر بات چیت کا ارادہ نہیں تو واپس جاتا ہوں ہمارے مذہب میں اس امر کی کوئی گنجائش نہیں کہ ایک شخص

خدا بن کر بیٹھے اور باقی لوگ بندوں کی طرح دست بستہ اس کے سامنے کھڑے ہوں"۔

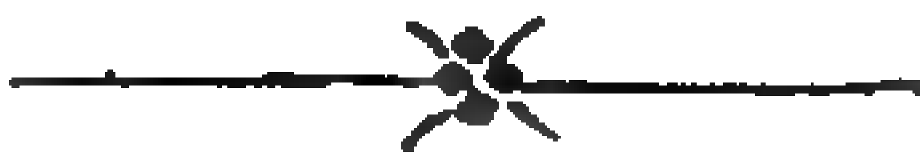
رستم نے اپنے آدمیوں کو ربعیؓ سے اُلجھنے سے روکا اور باتوں باتوں میں ازراہِ مزاح کہا "تمہاری تلوار کی نیام بوسیدہ ہے"۔

انہوں نے جواب دیا "لیکن اس کے اندر شمشیر آبدار ہے"! اور تلوار کو نیام سے کھینچ لیا۔ درباری بڑی حیرت سے اُن کا منہ تک رہے تھے۔ اُنہوں نے مزید کہا "تم صرف تلوار کی نیام کو دیکھتے ہو، تلوار چلانے والے بازو کو دیکھو جس کی کاٹ بے زنہار ہے اور جس کا وار کبھی خطا نہیں جاتا"۔

پھر رستم نے اُن سے کہا "تمہارے نیزے کا پھل بہت چھوٹا ہے۔ یہ لڑائی میں کیا کام دیتا ہوگا؟"

حضرت ربعیؓ نے نیزہ تان کر فرمایا۔ "یہ پھل سیدھا دشمن کے سینے کو چھیدتا ہُوا پار ہو جاتا ہے۔ کیا تم نے کبھی دیکھا نہیں کہ آگ کی ایک چھوٹی سی چنگاری تمام شہر کو جلا ڈالنے کے لئے کافی ہوتی ہے؟"

ربعیؓ کی اس گفتگو سے ایرانی امرا اور خود سپہ سالار رستم بہت متاثر ہوئے اور مزید مشورہ اور غور و فکر کی مہلت طلب کر کے اُنہیں رخصت کر دیا گیا۔



بحرِ ظلمات میں دوڑا دئے گھوڑے ہم نے!

جب اسلامی لشکر فتح پر فتح حاصل کرتا ہوا شاہِ ایران کے پایہ تخت مدائن کے قریب پہنچا تو ایرانیوں نے دریائے دجلہ کا پُل خود تباہ کر دیا۔ اسی اثنا میں شاہِ ایران اپنے اہل و عیال اور خزانوں سمیت مدائن سے بھاگ کھڑا ہوا لشکرِ اسلام دریا کے اس کنارے پڑا تھا اور دوسرے کنارے پر ایرانی فوج کے تیر انداز حملہ کے لئے تیار تھے۔ حضرت سعدؓ بن وقاص نے عاصمؓ بن عمرو کو چھ سو تیر اندازوں کی جماعت سمیت دریا کے کنارے ایک بلند مقام پر بٹھا دیا۔ تاکہ دریا سے گزرتے وقت دشمن کے یک لخت حملے سے دفاع کیا جا سکے۔ جب انتظام درست ہو گیا تو حضرت سعدؓ نے نَسْتَعِیْنُ بِاللّٰہِ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ حَسْبُنَا اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ ط پڑھتے ہوئے اپنا گھوڑا دریائے دجلہ میں ڈال دیا۔ اس مقام سے دریا پایاب نہیں تھا۔ لیکن سپہ سالار کی تقلید میں سارا لشکر دریا میں اُتر پڑا اور آپس میں گفتگو کرتے نہایت بے نیازی اور بے پروائی سے دیکھتے ہی دیکھتے دوسرے کنارے جا پہنچے۔

وہ تو اُنہیں پہچانتا ہے

نہاوند کے معرکے میں امیرِ لشکر مشہور جلیل القدر صحابی نعمانؓ بن مقرن تھے۔ اُنہوں نے عین میدانِ جنگ میں تین دعائیں مانگیں جو بارگاہِ خداوندی سے شرفِ قبولیت پاگئیں۔ اُنہوں نے کہا۔

"اے پروردگار! ہمیں صبرو استقامت عطا فرما۔
دشمنوں پر فتح دے اور مجھے شہادت کی نعمت سے
سرفراز فرما!"

چنانچہ وہ اس لڑائی میں شہید ہو گئے اور ان کی وصیت کے مطابق امیرِ لشکر حذیفہؓ بن الیمان چنے گئے۔ لڑائی ختم ہونے کے بعد حذیفہؓ نے حسبِ دستور مالِ غنیمت کا پانچواں حصہ سائب بن اقرع کے ہاتھ دربارِ خلافت میں روانہ کیا۔ جناب عمرؓ اس لڑائی کے نتیجے کی خبر کے لئے بڑے مضطرب تھے اور شہر سے باہر نکل کر قاصد کا انتظار کر رہے تھے۔ جب سائبؓ حاضرِ خدمت ہوئے اور فتح کی

خوشخبری کے ساتھ ساتھ نعمانؓ بن مقرن کی شہادت کی خبر سنائی تو حضرت عمرؓ بے چینی کے عالم میں رونے لگے۔ سائبؓ نے کہا "اے امیرالمومنین اس جنگ میں نعمانؓ کے علاوہ کوئی ایسا مشہور شخص شہید نہیں ہوا جسے آپ پہچانتے ہوں"! سائبؓ کے یہ الفاظ دراصل حضرت عمر فاروقؓ کی دلداری اور تسلی کے لئے تھے۔ لیکن جناب عمرؓ نے اُن کے جواب میں فرمایا۔ "جو خوش قسمت مومن رضائے الٰہی کے لئے شہید ہو چکے ہیں اگر میں اُنہیں نہیں جانتا تو اُن کا کیا نقصان، جس ذاتِ واحد نے اُنہیں شہادت سے نوازا ہے وہ تو اُنہیں پہچانتا ہے"!



جواہرات پتھر کے ٹکڑے

جنگِ نہاوند میں بے شمار مالِ غنیمت اہلِ اسلام کے ہاتھ آیا تھا۔ فتح کے بعد جب یہ مال مجاہدین میں تقسیم ہونے لگا تو اس مقام کے آتشکدے کا پجاری ڈرتا کانپتا امیرِ لشکر حذیفہؓ بن الیمان کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ اگر مجھے میرے خاندان سمیت امان دے دی جائے تو میں شاہ یزدگرد کے ایک بڑے خزانے کی اطلاع آپ کو دوں گا۔ اس کی خواہش کے مطابق اُسے امان دیدی گئی تو اُس نے آتشکدے میں ایک خفیہ خزانے کا سُراغ دیا۔ اس خزانے میں ہیرے جواہرات سے بھرا ہوا ایک سر بمہر صندوقچہ تھا۔ حضرت حذیفہؓ نے اپنے ساتھیوں کے مشورے سے یہ صندوقچہ دربارِ خلافت میں پہنچا دیا۔ قاصد نے جب یہ صندوقچہ حضرت عمر فاروقؓ کی خدمت میں پیش کیا تو انہوں نے فرمایا "ان پتھر کے ٹکڑوں میری نگاہ میں کوئی نہیں، نہ میں انہیں بیت المال میں رکھنا چاہتا ہوں، ان کے حقدار وہ مجاہد ہیں جنہوں نے اپنی جانیں اللہ کی راہ میں لڑائیں۔ یہ صندوقچہ واپس حذیفہؓ کے پاس لیجاؤ اور انہیں کہنا کہ ان جواہرات کو فروخت کر کے ان کی قیمت کو لشکرِ اسلام میں تقسیم کر دیں۔ چنانچہ یہ جواہرات کوفہ کے بازار میں فروخت کئے گئے اور ان کی قیمت فی لشکری چار ہزار درہم کے حساب سے مجاہدین میں بانٹ دی گئی



لشکرِ اسلام کے قیمتی سرمائے

جن دنوں خالدؓ سیف اللہؓ نے دمشق کا محاصرہ کر رکھا تھا، ایک دن اسلامی لشکر نے دیکھا کہ شہر پناہ پر خوشی سے ناچ رہے ہیں۔ تحقیقات سے پتہ چلا کہ اُن کی کمک کے لئے ایک بڑا لشکر چلا آرہا ہے۔ حضرت خالدؓ نے پانچسو سواروں کا ایک دستہ ضرارؓ بن ازدر کی ماتحتی میں روانہ فرمایا تاکہ آنے والے لشکر کو روکا جائے۔ ضرارؓ بن ازور نے وہاں پہنچ کر دیکھا کہ رُومیوں کا ٹڈی دل لشکر پہاڑ کی گھاٹیوں سے اُتر رہا ہے۔ انہوں نے اپنے سوارؤں کو رومی لشکر کے راستے میں چھپا دیا۔ جب رُومی لشکر زد پر آگیا تو ان لوگوں نے کمین گاہ سے نکل کر نہایت شدید حملہ کر دیا۔ بے شمار رومی مارے گئے لیکن حضرت ضرارؓ بن ازور اس لڑائی میں زخمی ہوئے اور دشمنوں نے چاروں طرف سے گھیر ڈال کر انہیں گرفتار کر لیا جب حضرت خالدؓ کو ضرارؓ کی گرفتاری کی اطلاع ملی تو میسرہؓ بن مسروق کو اپنی جگہ متعین کر کے لشکر سمیت اس نئے آنے والے لشکر کی طرف بڑھے۔ راستے میں انہوں نے ایک شخص کو نقاب پہنے، نیزہ تانے ایک بلند قامت گھوڑے پر سوار جاتے دیکھا۔ لوگوں سے دریافت کرنے پر بھی اس سوار کے متعلق کچھ معلوم نہ ہوسکا۔

جب میدانِ جنگ میں پہنچے تو پھر حضرت خالدؓ نے اس سوار کو نہایت مستعدی اور پھرتی سے تابڑ توڑ حملے کرتے دیکھا، وہ خون میں نہایا ہوا تھا حضرت خالدؓ اس کی بہادری پر حیران تھے۔ بعض لوگ اس سوار پر خالدؓ کا گمان کرتے تھے، کیونکہ اس کا طریقِ جنگ بالکل سیف اللہ سے ملتا جلتا تھا۔ جب لڑائی کا زور ذرا تھما تو حضرت خالدؓ نے بڑے اصرار سے اس جوان سے اس کا نام و مقام دریافت کیا۔ پہلے تو وہ سوار خاموش رہا لیکن جب لوگوں نے کہا کہ "امیرِ لشکر تم سے تمارا نام و مقام پوچھتے ہیں، تم بولتے کیوں نہیں"؟

سوار نے سر جھکا لیا اور جواب دیا: "میں ضرارؓ کی بہن خولہ بنت ازور ہوں جب مجھے بھائی کی گرفتاری کا علم ہوا تو میں برداشت نہ کر سکی اور انہیں رہا کرانے کا عزم لے کر میدان میں اتر آئی!"

حضرت خالدؓ نے خولہؓ کو یقین دلایا کہ ضرارؓ لشکرِ اسلام کا قیمتی سرمایہ ہیں، ہم انہیں چھڑائے بغیر دم نہ لیں گے، تم واپس اپنے خیمے میں چلو"!

چنانچہ کافی جد و جہد کے بعد حضرت ضرارؓ بن ازور کو دشمن کی قید سے صحیح سلامت رہا کرا لیا گیا اور ان کی رہائی کی خبر سے اسلامی لشکر میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔



مُسلم خواتین کی شجاعت و غیرت

دمشق کی مہم کے زمانے میں ایک رومی سردار پطرس نے دھوکے سے چند مُسلم خواتین کو گرفتار کر لیا اور انہیں ساتھ لے کر استریاق نامی نہر کی جانب روانہ ہو گیا۔ گرفتار ہونے والی خواتین میں خولہؓ بنت ازور بھی تھیں۔ اس خبر سے لشکرِ اسلام میں کھلبلی مچ گئی اور فوراً سپہ سالارِ افواج خالدؓ بن ولید دو ہزار مجاہدین کو لے کر نہر استریاق کی طرف بھاگے۔ ادھر رُومیوں نے نہر پر پہنچ کر کچھ دیر سستانے کے ارادے سے اپنا لشکر ٹھہرایا اور مسلم عورتوں کے سامنے یہ پیشکش کی کہ تم ہماری زوجیت میں آجاؤ تو مال و دولت، زیور کپڑے اور دُنیوی شان و شوکت و وجاہت تمہارے قدم چُومے گی۔

حضرت خولہؓ بنت ازور جو نہایت شکیل و جمیل تھیں، اُنہیں پطرس نے اپنے لئے چُنا اور ترغیب و تحریص کے ہتھیار آزمانے لگا۔ حضرت خولہؓ نے پطرس کی تقریر کے جواب میں فرمایا:

"اگر میں تجھ پر غلبہ پاؤں تو اس چوب سے تیرا سر پھوڑ دوں گی، میں تو تجھے اپنی بکریوں کا چرواہا بنانے کے لئے بھی

راضی نہیں۔"

اس کے بعد حضرت خولہؓ نے سب عورتوں کو غیرت دلائی:

"اگر تمہارے پاس اور کچھ نہیں تو اس خیمے کی چوبیں تو ہیں، انہیں نکال کر ان نصرانی کتوں کے سر پھوڑ دو اور اپنی قومی حمیّت، عصمت اور وقار پر حرف نہ آنے دو۔"

چنانچہ عورتوں نے ایسا ہی کیا اور خیمے کے بانسوں سے تیس رومی جوانوں کو مار ڈالا۔ اتنے میں خالدؓ سیف اللہ کی تکبیر سے فضا گونج اٹھی اور انہوں نے آتے ہی دشمن کے سپاہیوں کو نیزوں اور تلواروں کی زد پر رکھ لیا۔ ان میں سے بہت سوں کو قتل کیا اور باقی سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔



آؤ مرنے کے لئے چلیں!

یرموک میں سپہ سالارِ لشکرِ اسلام خالدؓ بن ولید نے جس حیرت انگیز جنگی طریقے سے فوجوں کو مرتب کیا، وہ ان کی جنگی مہارت اور اعلیٰ درجے کی قائدانہ صلاحیتوں کی کھلی دلیل ہے۔ انہوں نے لشکر کے چالیس دستے بنائے۔ ہر دستے میں تقریباً ایک ہزار جوان تھے۔ ان دستوں کو اپنی اپنی باری پر اپنے قائدین کے حکم سے میدان میں اترنا تھا۔ دائیں بازو کے دستوں پر عمروؓ بن العاص اور شرجیل بن حسنہ، بائیں بازو پر یزید بن ابی سفیان قلب میں ابو عبیدہ بن الجراح اور اپنے طوفانی دستے پر خود خالدؓ سیف اللہ متعین ہوئے۔ ابو ہریرہؓ کو لشکر کا قاضی اور ابو سفیانؓ کو نقیب ٹھہرایا گیا۔ نقیب کی ڈیوٹی یہ تھی کہ میدان جنگ میں صفوں کے سامنے کھڑا ہو کر مجاہدین کو جوش دلائے اور جنگ پر اُبھارے ابو سفیان ہر دستے کے سامنے باری باری جاتے اور پرجوش اور دلنشیں انداز میں کہتے:

"اللہ اللہ! اے مجاہدو! تم عرب کے نوجوان اور اسلام کے مددگار ہو، لیکن تمہارے دشمن رُوم کے نوجوان اور

شرک کے مددگار ہیں اے اللہ! آج کا دن ایک یادگار دن ہے، تو اپنے بندوں کی مدد فرما!"

جنگ شروع ہوئی تو کفار نے اسلامی لشکر پر ایک نہایت شدید حملہ کیا۔ بعض لوگ پیچھے ہٹنے لگے اور صفوں میں انتشار کا خطرہ پیدا ہو گیا۔ اس حصّہ لشکر کے امیر عکرمہؓ بن ابی جہل اور ان کے چچا حارثؓ بن ہشام تھے۔ عکرمہؓ نے کہا:

"میں نے اسلام لانے سے پہلے ہر موقع پر سرورِ کائنات محمد الرسول اللہ صلی علیہ وسلم کا مقابلہ کیا تھا، آج اس کی تلافی کا دن ہے، کیا کافروں کے مقابلے میں آج میرا پاؤں پیچھے ہٹ سکتا ہے؟"

پھر باآوازِ بلند اپنے ساتھیوں سے کہنے لگے:

"آؤ مرنے کو چلیں، تم میں سے کون ہے؟ جو میرے ہاتھ پر موت کی بیعت کرتا ہے؟"

فی الفور چار سو جوان آگے بڑھے، ان میں حارثؓ بن ہشام اور ضرارؓ بن ازور جیسے بہادر بھی شامل تھے۔ انہوں نے عکرمہ کے ہاتھ پر موت کی بیعت کی اور میدان میں کود گئے۔ یہ لوگ خالدؓ بن ولید کے خیمے کے سامنے جان توڑ کر لڑے اور جانثاری کا پورا پورا حق ادا کر دیا۔ لڑائی کے ختم ہونے پر حضرتِ عکرمہؓ اور ان کے بیٹے عمرؓ کو اٹھا کر حضرت خالدؓ کے پاس لایا گیا۔ دونوں زخموں سے چور اور جاں بلب تھے خالدؓ نے آبدیدہ ہو کر دونوں کے سر گود میں رکھے اور نہایت شفقت سے ان کے منہ میں پانی ٹپکایا۔ اسی حالت میں یہ دونوں شہید ہو گئے ——— !

اگر آج بزدلی دکھائی تو ہمارا مُنہ نہ دیکھنا

معرکۂ یرموک میں اسلامی فوج کا ایک حصہ رُومیوں کے شدید حملوں کی تاب نہ لا کر کچھ پیچھے ہٹ گیا تو مسلم خواتین جو زخمیوں کی تیمارداری کے لئے ایک طرف خیموں میں تھیں باہر نکل آئیں اور اسلامی لشکر کی صفوں کے پیچھے آ کھڑی ہوئیں۔ انہوں نے چلّا چلّا کر کہنا شروع کیا:

"اگر میدان سے قدم پیچھے ہٹایا تو پھر ہمارا مُنہ نہ دیکھنا!"

اِن عورتوں کے ہاتھوں میں پتھر تھے تاکہ کوئی بھاگنے کی کوشش کرے، تو اس کے منہ پر یہ پتھر دے ماریں اور وہ دوبارہ لشکر میں شامل ہو کر لڑنے پر مجبور ہو جائے۔ اُن کی آوازیں سُن کر مُسلمانوں میں پہلے سے زیادہ جوش پیدا ہو گیا اور انہوں نے اس زور کا حملہ کیا جس کے سامنے رُومی ٹھہر نہ سکے۔ تھوڑی دیر کے بعد میدانِ جنگ کا نقشہ بدل گیا اور اسلامی لشکر فتحیاب ہو گیا۔



شہادت کی آرزو

خالدؓ بن ولید عراق اور شام کی فتوحات کے بعد کچھ عرصہ تک قنسرین کے حاکم رہے، لیکن جلد ہی مستعفی ہو کر مدینہ منورہ تشریف لے گئے سنہ ۲۱ھ میں ایک مختصر علالت کے بعد ان کی موت واقع ہو گئی۔ آخری وقت میں نہایت بے قراری کا اظہار کرتے اور بار بار پہلو بدلتے تھے۔ کچھ لوگوں نے عرض کیا:

"کیا دنیا کا سب سے بڑا جرنیل موت سے خوفزدہ ہے"؟

تو فرمایا:

"افسوس تم میری بےچینی کا سبب غلط سمجھے ہو، میں نے جب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں ہاتھ دیا ہے، ہزاروں جنگیں لڑی ہیں اور ہر جنگ میں اس آرزو کو لے کر گیا ہوں کہ مجھے میدان جہاد میں شہادت کی موت مل جائے لیکن آہ! میری یہ آرزو پوری نہ ہو سکی۔ میں موت کو ہر میدان میں ڈھونڈتا رہا اور وہ مجھ سے بھاگتی رہی، آخر آج اس نے

مجھے بستر پر آ گھیرا ہے۔ میرا جسم کھول کر دیکھو، کہیں چپہ بھر جگہ نہ ملے گی جس پر تیر، تلوار، نیزے یا خنجر کا زخم نہ ہو۔ بزدلوں پر حیف ہے، کہ وہ ہر روز مرتے ہیں۔ لیکن بہادروں کی موت صرف ایک دفعہ واقع ہوتی ہے!"

وفات کے بعد حضرتِ عمرؓ فاروق نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور فرمایا:

"مائیں خالد جیسا فرزند جلنے سے معذور ہیں۔ خالد کی موت ناقابلِ تلافی نقصان ہے۔ اے ابو سلیمان ــــ خالدؓ ــــ اللہ تجھے اسلام اور اہلِ اسلام کی طرف سے نیک جزا عطا کرے، تو نے اسلامی عظمت کو چار چاند لگا دیئے!"

خالدؓ کے جنازے پر اُن کی بہن کا غم دیکھ کر حضرتِ عمرؓ نے شدّتِ غم سے مُنہ دوسری طرف پھیر لیا اور بے اختیار رونے لگے۔



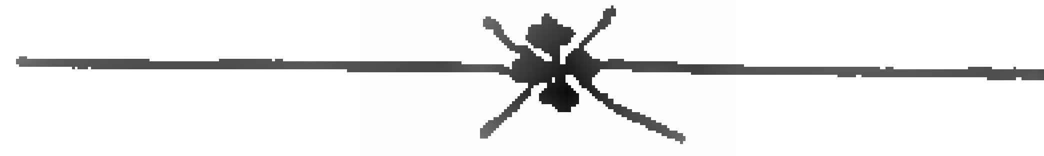
قریش کا شاہباز

حضرت عبداللہؓ بن زبیر اپنی شجاعت، جرات و بسالت، کرّ و فر اور تیزی و طرّاری کی وجہ سے "صقر قریش ———— قریش کا شاہباز ———— کہلاتے تھے۔ صحابہ کی جماعت میں اُنہیں یہ خصوصیت حاصل تھی کہ ہجرت کے بعد مہاجرین کے ہاں سب سے پہلے آپ ہی کی پیدائش ہوئی اور یہودیوں کا یہ قول باطل ٹھہرا کہ "ہم نے مہاجرین پہ جادو کر دیا ہے اب اُن کے ہاں اولاد پیدا نہیں ہو سکتی۔" جب یہ پیدا ہوئے تو مسلمانوں نے بڑی خوشی کا اظہار کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دستِ مبارک سے اُنہیں گھٹی دی۔ آپ بچوں کو بیعت نہیں فرماتے تھے۔ لیکن عبداللہؓ بن زبیر کو سات سال کی عمر ہی میں بیعت فرما لیا تھا۔

حضرت عثمانؓ غنی کے زمانہ خلافت میں ———— ۲۷ھ ———— والیٔ مصر عبداللہؓ بن ابی سرح نے امیر المومنین کی اجازت سے

افریقہ پر فوج کشی کی۔ ان کے لڑنے کا انداز کہ روزانہ پچھلے پہر دونوں لشکر لڑائی موقوف کر دیتے اور اگلے دن کے لئے تیاری کرتے۔ مدینہ منورہ سے حضرت عثمانؓ نے ایک لشکر عبداللہؓ بن زبیر کی قیادت میں بطور کمک افریقہ روانہ فرمایا۔ جب عبداللہؓ بن زبیر میدانِ قتال میں پہنچے تو انہوں نے عبداللہ بن ابی سرح کے اندازِ قتال سے اختلاف کیا۔ ساری فوج کی کمان اپنے ہاتھ میں لے لی۔ اور لشکر کے دو حصے کر دیئے۔ قرارداد یہ تھی کہ حصہ حسبِ معمول ظہر تک لڑے گا۔ ظہر کے فوراً بعد تازہ دم فوج میدان میں اُترے گی اور پہلی فوج واپس آجائے گی۔ چنانچہ دوسرے دن جب اس تدبیر پر عمل کیا گیا تو دشمن کے پاؤں اکھڑ گئے۔ مخالف لشکر کے سردار جرجیر نے عین میدانِ جنگ میں اعلان کیا کہ جو شخص مسلمان سپہ سالار کو قتل کرے گا اس سے میں اپنی بیٹی بیاہ دوں گا۔ اس اعلان پر رومی لشکر کے پاؤں کچھ دیر کے لئے جم گئے۔ اُدھر سے عبداللہؓ بن زبیر نے اعلان کر دیا کہ جو شخص جرجیر کو قتل کرے گا ہم اس کے ساتھ جرجیر کی بیٹی کا نکاح کر دیں گے رومی لشکر کی تعداد دو لاکھ اور اسلامی لشکر صرف تقریباً بیس ہزار کی تعداد میں تھا۔ غرض گھمسان کا رن پڑا۔ عبداللہؓ بن زبیر نے لشکر سے الگ ہو کر غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ جرجیر اپنے لشکر کے پیچھے

ہے اور دو لونڈیاں اس پر مور کے پروں سے سایہ کئے ہوئے ہیں۔ ابنِ زبیرؓ قلانچیں بھرتے فوراً اس کے سر پر جا پہنچے اور آن کی آن میں اس کا سر کاٹ کر نیزے پر چڑھا لائے۔ اس خبر سے رُومی لشکر میں بھگدڑ مچ گئی اور دیکھتے ہی دیکھتے میدانِ جنگ اُن سے خالی ہو گیا۔ ان کی بڑی تعداد قتل ہوئی اور بے حساب مالِ غنیمت ان کے ہاتھ آیا۔ برِاعظم افریقیہ میں مسلمانوں کی یہ پہلی فتح تھی جس نے آئندہ فتوحات کا دروازہ کھول دیا اور ولید بن عبدالملک اموی کے زمانہ حکومت میں سارا افریقیہ زیرِ نگیں آ گیا۔



مردِ مومن اور موت

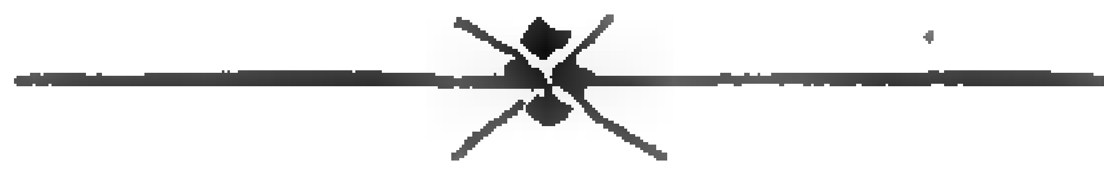
لوگوں نے ایک مرتبہ جناب علیؓ المرتضٰی کو، خوارج کے بُرے ارادوں کے پیشِ نظر، اس بات کا خوف دلایا کہ کوئی کہیں آنجناب کو عالمِ بے خبری میں دھوکہ سے شہید نہ کر ڈالیں، آپ کو ہر وقت چوکنّا رہنا چاہیئے۔ جناب علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ نے جواب میں جو کچھ فرمایا اس سے پتہ چلتا ہے کہ مردِ مومن کا خدا پر کتنا مضبوط ایمان ہوتا ہے اور موت سے ڈرتا اور کانپتا نہیں، بلکہ ہر وقت تیار رہتا ہے۔ فرمایا:

"جب تک میری موت کا مقررہ وقت نہیں آلیتا کوئی میرا کچھ بھی بگاڑ نہیں سکتا۔ موت میری نگہبان ہے، مجھ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک مضبوط ڈھال ہے لیکن جب میری موت کا وقت آجائے گا یہ خدائی ڈھال مجھ سے الگ ہو جائے گی اور مجھے موت کے سپرد کر دے گی، اس وقت نہ تو موت کا تیر خطا جائے گا

اور نہ اس کا لگایا ہوُا زخم بھرے گا۔"

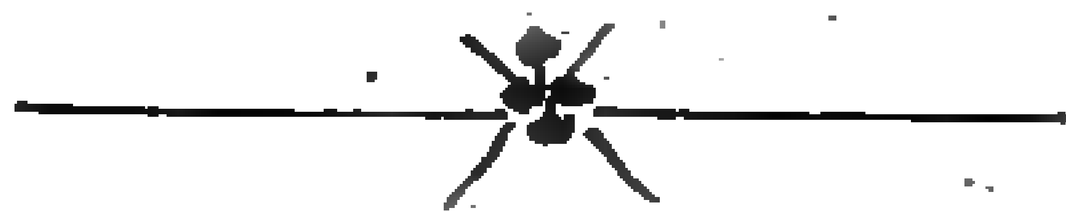
ایک موقع پر ارشاد فرمایا "لاَ ابالی اَسقط الموت علےٰ ام سقطتّ علی الموت": مُجھے کچھ پرواہ نہیں کہ موت مجھ پر آگرے یا مَیں موت پر گر جاؤں" ایک خطبے میں اسی حقیقت کو دوسرے الفاظ میں یوں ادا فرمایا :

"موت ایک ایسا طالب ہے جس سے بچاؤ کی صورت نہیں، نہ کوئی ٹھہرنے والا اس سے بچ سکتا ہے نہ بھاگنے والا اسے تھکا سکتا ہے، سب سے زیادہ باعزّت موت شہادت کی موت ہے، اُس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ تلوار کی ہزار ضربیں میرے لئے بستر پر مرنے سے زیادہ ہلکی اور آسان ہیں۔



نشانِ مردِ مومن

ملجم نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ پر چھپ کر قاتلانہ حملہ کیا اور زہر میں بجھی ہوئی تلوار سے کاری ضرب لگائی۔ حضرت علی جب زخم کھا کر گرے تو زبان سے بیساختہ نکلا اللّٰہُ اکبرُ فزت ربّ الکعبۃ لا یفوتنکما الرجل"۔ اللہ اکبر رب کعبہ کی قسم، میں نے کامیابی حاصل کرلی دیکھو یہ شخص جانے نہ پائے۔ جب زندگی سے مایوسی ہو گئی تو یہ وصیت فرمائی: "تمہیں میری وصیت یہ ہے کہ اللہ کیساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہرانا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے کو ضائع مت کرنا۔ ان دونوں ستونوں کو قائم رکھنا اور دونوں چراغوں کو جلائے رکھنا، پھر تمہیں کوئی خدشہ نہیں، میں کل تمہارا ساتھی تھا آج تمہارے لئے عبرت ہوں اور کل تم سے جدا ہونے والا ہوں۔ اگر میں زندہ رہا تو اپنے خون کے معاملے سے خود نپٹ لوں گا اور اگر میں فوت ہو گیا تو مجھے فنا کے گھاٹ اترنا ہی ہے۔ اگر میں قاتل کو معاف کردوں تو میرے لئے باعث ثواب ہے اور تمہارے حق میں نیکی ہے۔ سو تم معاف کر دینا، کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں معاف کردے؟ واللہ! میں نہ موت کو ناپسند کرتا ہوں نہ اسے بیگانہ جانتا ہوں، میری مثال تو اس پیاسے کی سی ہے جس نے پانی پا لیا ہو اور اس تلاش کرنے والے کی جس نے مقصود کو حاصل کر لیا ہو۔ اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہی نیکو کاروں کے حق میں بہتر ہے۔"



اِسلامی حکومت کے گورنروں کا دستور العمل

جناب علیؓ المرتضیٰ نے اپنے زمانۂ خلافت میں ایک گورنر کو تحریر فرمایا :
"اگر حاکم کی نیت بد ہو جائے اور وہ جانبداری کرنے لگے تو عدل و انصاف نہیں کر سکے گا۔ حق کے معاملے میں سب لوگ تمہارے سامنے برابر ہونے چاہئیں کیونکہ ظلم انصاف کا بدل نہیں بن سکتا، جو باتیں تمہیں دوسروں سے اچھی نہ لگیں ان سے خود پرہیز کرو۔ خدا کے فرائض کی ادائیگی میں اپنے آپ کو لگاؤ، اس کے ثواب کی امید رکھو اور اس کی سزا سے ڈرتے رہو۔ تمہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ یہ دنیا ایک آزمائش گاہ ہے، اگر کوئی شخص گھڑی بھر کے لئے صرف دُنیا کا ہو کر رہ جائے تو یہ قیامت کے دن اس کے لئے باعث شرمندگی ہوگا تم حق سے کبھی بے نیاز نہیں ہو سکتے۔ یہ بھی تمہارے ذمّہ حق ہے کہ اپنے آپ کو گناہ سے بچاؤ اور پوری کوشش سے رعیّت پر کنٹرول کرو۔ اس سے جتنا فائدہ رعیّت کو ہوگا اس سے زیادہ خود تمہیں ہوگا۔"



سرداری کا معیار

جناب حسینؓ بن علی رضی اللہ عنہما ایک دفعہ بچپن کے زمانہ میں اپنے جدِّ امجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مسجد نبویؐ میں ممبر پر بیٹھے تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کبھی مجمع کی طرف اور حسنؓ کی طرف دیکھتے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کا بیان ہے کہ اسی حال میں حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

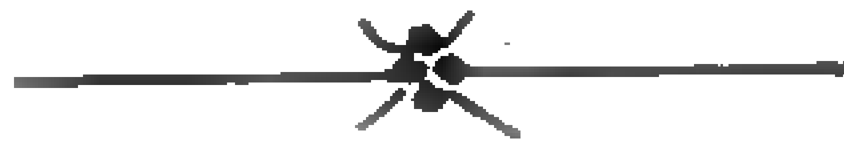
"میرا بیٹا سید (سردار) ہے اور عنقریب اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے سے مسلمانوں کے دو عظیم گروہوں میں مصالحت کرائے گا"

حضورؐ کی یہ پیش گوئی ربیع الاوّل ۴۱ھ میں حرف بحرف پوری ہوئی جب کہ حضرت علیؓ المرتضیٰ کی شہادت کے بعد جناب حسنؓ نے اہلِ کوفہ کی بے وفائی سے متاثر ہو کر اہل اسلام کی خیر خواہی کے پیشِ نظر امیر معاویہؓ کے حق میں خلافت و حکومت سے دست برداری اختیار کر لی۔ دست برداری سے چند دن پہلے اُنھوں نے ساباطِ مدائن کے مقام پر اہل کوفہ کے سامنے ایک خطبہ دیا جس میں فرمایا:

"لوگو! تم نے میرے ہاتھ پر اس شرط کے ساتھ بیعت کی

ہے کہ صلح و جنگ میں میرے پیچھے چلو گے۔ میں خدائے بزرگ و برتر کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ مجھے کسی سے بغض و عداوت نہیں۔ مشرق سے مغرب تک کوئی شخص بھی مجھے ایسا نظر نہیں آتا، جس کی طرف سے میرے دل میں کوئی رنج و ملال اور نفرت و کراہت ہو۔ میں ہر حال میں اتفاق و اتحاد محبت و سلامتی اور صلح و اصلاح کو نااتفاقی اور دشمنی سے بہتر سمجھتا ہوں"۔

اسلامی تاریخ میں حضرت حسنؓ کا یہ کارنامہ سنہری حروف سے لکھا گیا ہے اور جس سال یہ واقعہ پیش آیا تھا اُسے "عام الجماعۃ" (اتحاد و اتفاق کا سال) کہا جاتا ہے۔ سرداری کا یہ معیار کس قدر بلند اور کس قدر حیرت انگیز ہے۔



۔ ۔ ۔ اور کبھی تسلیمِ جاں ہے زندگی!

حکومت کا چسکا اور غلبہ حاصل کرنے کا شوق ایسی چیزیں ہیں جن کے لئے انسانی تاریخ میں بے مقدار خون بہایا جا چکا ہے۔ لیکن قائم شدہ جائز حکومت کو کسی اعلیٰ تر مقصد کے لئے تج دینا اور ذاتیات سے بلند ہو کر اجتماعی مفاد کے لئے قربانی کرنا انسانی کردار کی مسلمہ عظمتیں ہیں، جو خال خال افراد کو نصیب ہوتی ہیں۔ جنابِ حسن رضی اللہ عنہ کی کمان میں چالیس ہزار کا لشکرِ جرار موجود تھا۔ اگر وہ چاہتے تو چشمِ زدن میں میدانِ حرب و ضرب گرم کر سکتے تھے۔ خود ان کی اپنی شجاعت اور فنِ سپہ گری میں مہارت بھی مسلّم تھی لیکن انہوں نے دو لڑنے والے گروہوں کو ملانے اور ٹوٹے ہوئے دلوں کو جوڑنے کا جو عظیم کام صلح و صفائی کے ذریعے سے انجام دیا اس پر دنیا بھر کے بہادروں اور شمشیر زنوں کی شجاعتیں قربان کی جا سکتی ہیں۔ ایثار و قربانی اور بے نفسی کی اس سے بہتر مثال مشکل سے ہی پیش کی جا سکتی ہے۔ اس سلسلے میں ان کا خلوص اس خطبے کے الفاظ میں پڑھیئے جو امیر معاویہؓ سے صلح اور خلافت سے دستبرداری

کے بعد اُنہوں نے دیا۔ فرماتے ہیں :

"اے اہل اسلام! مجھے فتنہ و فساد سخت ناپسند ہے۔ اپنے جدِ بزرگوارؐ کی اُمّت سے فتنہ و فساد کو دُور کرنے اور مسلمانوں کی جان و مال کو محفوظ رکھنے کیلئے میں نے معاویہؓ سے صلح کر لی ہے اور اُنہیں امیر و خلیفہ تسلیم کر لیا ہے۔ اگر امارت و خلافت ان کا حق تھا تو اُنہیں مل گیا اور اگر یہ میرا حق تھا تو میں نے اپنا حق اُنہیں بخش دیا۔"

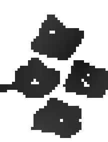
دست برداری کے بعد کچھ لوگوں نے اُنہیں عار المسلمین (مسلمانوں کے لئے عار کا باعث) جیسے بُرے نام سے پکارا۔ تو آپ نے فرمایا کہ عار (شرمندگی) نار (دوزخ) سے بہتر ہے۔

ایک کوئی آپ سے ملنے آیا تو کہنے لگا :

"اے مسلمانوں کو ذلیل کرنے والے! تجھ پر سلام ہو۔"

آپ نے جواب میں فرمایا :

"میں اہل اسلام کو ذلیل کرنے والا نہیں ہوں، بلکہ مجھے یہ بات اچھی معلوم نہ ہوئی کہ ملک و حکومت کے لئے تمہیں قتل کرا دوں۔"



میزبانِ رسولؐ کی عجیب وصیت

امیر معاویہؓ نے اپنے دورِ خلافت میں قیصر روم کے پایہ تخت قسطنطنیہ پر بڑے اہتمام و انتظام کے ساتھ بری اور بحری دونوں راستوں سے پہلا حملہ کیا۔ فوج کی سپہ سالاری سفیان بن عوف ازدی کے سپرد تھی اور یزید بن معاویہ بھی ایک حصہ فوج کا کماندار تھا۔ اہلِ اسلام میں چونکہ عام طور پر مشہور تھا کہ قسطنطنیہ پر پہلا حملہ کرنے والا لشکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں کا مستحق ہو چکا ہے، لہٰذا تاریخ اسلام کی بعض نہایت محترم اور اہم شخصیتیں مثلاً عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن عباسؓ، میزبان رسولؐ ابو ایوبؓ انصاری، سیدنا حسین بن علیؓ اور حضرت عبداللہ بن زبیر وغیرہم بھی اس لشکر میں شامل تھے۔ قسطنطنیہ گو فتح نہ ہو سکا لیکن اس مہم نے نہ صرف بحری جنگوں کا راستہ کھول دیا بلکہ اہل اسلام کے دل میں فتح قسطنطنیہ کی تمنا کی مستقل روشن شمع جلا دی اور سلطنت عثمانیہ کے بطلِ جلیل سلطان محمد فاتح نے قسطنطنیہ کو فتح کر لیا۔

قسطنطنیہ کے محاصرے کے دوران میزبانِ رسولؐ حضرت

ایوبؓ انصاری مرض الموت میں مبتلا ہو گئے۔ یزید بن معاویہؓ نے دریافت کیا کہ اگر کوئی وصیت ہو تو ارشاد فرمایئے، انہوں نے فرمایا:
"میری وصیت یہ ہے کہ جب میں وفات پا جاؤں تو میری لاش کو جہاں تک ممکن ہو سکے دشمن کی سرزمین کے اندر تک لے جا کر دفن کرنا"!

چنانچہ حضرت ایوبؓ کی وصیت کے مطابق ان کے جسم کو فوجی کروفر کے ساتھ قسطنطنیہ کے قلعہ کی دیوار تک لیجایا گیا اور قبر کھود کر انہیں وہاں سپردِ خاک کر دیا گیا۔ دفن کر چکنے کے بآوازِ بلند اہلِ روم سے کہا گیا کہ:

"اے روم والو! ہم نے یہاں اپنے رسولؐ پاک کے میزبان اور عظیم الشان ساتھی کو دفن کیا ہے۔ بخدا اگر تم نے ان کی قبر یا جسم کی بے حرمتی کی تو اس کے بدلے میں سلطنتِ اسلامی کی حدود میں تمام گرجوں کو پیوندِ خاک کر دیا جائے گا۔ اور کبھی ہماری حدود میں ناقوس نہیں بج سکے گا۔"

ترکانِ عثمانی کے دورِ خلافت میں جب قسطنطنیہ فتح ہوا تو حضرت ابوایوب انصاری کے مزار کو از سرِ نو تعمیر کرایا گیا اور اس کے قریب ایک مسجد بنوائی گئی۔ عثمانی خلفاء کی رسمِ تاجپوشی اسی مسجد میں ادا ہوتی تھی۔ ابوایوبؓ انصاری کی قبر آج تک زیارت گاہ خلائق ہے۔



موت منظور ہے ذلت گوارا نہیں

میدانِ کربلا میں کوفہ کے یزیدی گورنر ابن زیاد کی طرف سے جناب حسین ابن علی رضی اللہ عنہما کا معاملہ نپٹانے کے لئے عمرو بن سعد چار ہزار کا لشکر لئے پڑا تھا۔ حضرت حسین کے تقدس و بزرگی کے پیش نظر اس کی کوشش شروع سروع میں یہ تھی کہ کسی طرح یہ معاملہ جنگ و جدال کے بغیر طے ہو جائے۔ اس نے جناب حسین رضی اللہ عنہ سے مل کر گفتگو کے ذریعے سے کوئی فیصلہ کرنے کی ٹھانی۔ حضرت حسینؓ کی طرف سے تین باتیں پیش کی گئیں کہ ان میں سے کسی ایک کو مان لیا جائے تو لڑائی تک نوبت نہیں آئے گی۔

(۱) انہوں نے فرمایا پہلی بات یہ ہے کہ اہل کوفہ نے مجھے بلایا تھا اب جب کہ وہ مجھ سے منحرف ہو گئے ہیں تو مجھے مکہ معظمہ واپس جانے دیا جائے۔ تاکہ وہاں پہنچ کر عبادت الٰہی میں مصروف ہو جاؤں۔

(۲) اگر پہلی بات منظور نہیں تو مجھے کسی سرحدی مقام کی

طرف نکل جانے دو۔ تاکہ کفار کے ساتھ لڑتا ہوُا شہید ہو جاؤں۔

(iii) اگر دوسری بات بھی ناقابل قبول ہے تو تم لوگ میرے میرے راستے سے ہٹ جاؤ اور مجھے سیدھا یزید کے پاس دمشق جانے دو۔ اگر تم چاہتے ہو تو اپنے اطمینان کی غرض سے میرے پیچھے پیچھے آسکتے ہو میں یزید سے براہِ راست اپنا معاملہ خود طے کر لوں گا۔

ابنِ سعد اس گفتگو سے بہت خوش ہوُا۔ اس کا خیال تھا کہ ان معقول شرائط میں سے کوئی نہ کوئی ضرور مان لی جائے گی اور اس کے ہاتھ خونِ حسینؓ سے نہ رنگے جائیں گے۔ اس نے یہ تینوں باتیں ابنِ زیاد کوفہ میں پہنچا دیں۔ ابن زیاد نے یہ باتیں سُن کر کہا کہ جناب حسینؓ نے وہ بات پیش کی ہے جس سے فتنے کا دروازہ بند ہو جائے گا۔ لیکن شمر بن ذی الجوشن نے ابنِ زیاد کو ان میں سے کسی بات کو بھی نہ ماننے پر اکسایا اور اپنی رائے پر اصرار کیا۔ اس نے یہ بھی کہا کہ اگر جناب حسینؓ خود یزید سے جا ملے تو عین ممکن ہے کہ دونوں میں اتفاق رائے ہو جائے اور اُن کی عزت و منزلت یزید کے ہاں دوسرے سب لوگوں سے زیادہ ہو جائے۔ اس پر ابن زیاد نے کربلا میں ابن سعد کو لکھا کہ ہمیں یہ تینوں باتیں منظور نہیں۔ صرف ایک صورت

ہو سکتی ہے کہ حضرت حسینؓ پہلے میرے ہاتھ پر یزید کے لئے بیعت کریں۔ پھر میں انہیں زیرِ اہتمام یزید کی طرف روانہ کر دوں گا۔

حضرت حسینؓ کو جب ابن زیاد کا یہ پیغام پہنچا تو آپ نے فرمایا:

"ابنِ زیاد کے ہاتھ پر یزید کے لئے بیعت کرنے سے تو مر جانا بہتر ہے"



مَیں نے حُجّت تمام کردی ہے!

جناب حسین ابنِ علی کو یقین ہو گیا کہ کوفی فوج دو چیزوں میں سے ایک کی طالب ہے، یزید کی غیر مشروط بیعت یا حسینؓ کا سر۔ تو انہوں نے دس محرم ۶۱ھ اپنے ساتھیوں کو مناسب مقامات پر متعین فرما کر اور ضروری ہدایات دے کر کوفی لشکر کے سامنے اونٹ پر سوار ہو کر یہ تقریر فرمائی:

"اے اہل کوفہ میں خوب جانتا ہوں کہ یہ تقریر نتیجہ خیز نہیں ہو گی اور تم اپنے ارادوں سے باز نہیں آؤ گے لیکن میں مناسب سمجھتا ہوں کہ اللہ کی حُجّت تمام ہو جائے۔ اور میرا عُذر بھی واضح ہو جائے۔ اے لوگو! جو شخص تم میں سے مجھے جانتا ہے وہ تو جانتا ہی ہے۔ جو نہیں جانتا وہ اب اچھی طرح جان لے کہ میں محمدؐ رسول اللہ کا نواسا اور علیؓ ابنِ طالب کا بیٹا ہوں۔ میری والدہ جناب فاطمۃ الزہراؓ اور میرے چچا حضرت جعفر طیارؓ تھے۔ میں نے کبھی وعدہ خلافی نہیں کی۔ نہ کبھی نماز چھوڑی اور نہ کسی

مومن کو قتل کیا یا تکلیف پہنچائی۔ اگر عیسےٰ علیہ السلام کا
گدھا بھی دنیا میں موجود ہوتا تو تمام عیسائی قیامت تک
اس کی پرورش و نگہداشت میں مصروف رہتے۔ تم کیسے
مسلمان اور رسولؐ اللہ کے کیسے اُمتی ہو، جو مجھے ناحق
قتل کرنا چاہتے ہو، تمہیں نہ خدا کا خوف ہے نہ رسولؐ کی
شرم۔ میں نے کسی کو قتل نہیں کیا جس کے قصاص میں میرا
قتل ضروری ہو۔ بتاؤ تم نے کس دلیل سے میرا خون حلال
سمجھ لیا ہے۔ میں مدینے میں خاموشی سے رسولؐ اللہ کے
قدموں میں پڑا تھا کہ تم نے مسلسل خط لکھ کر اور وفد بھیج کر
مجھے یہاں بلوایا۔ اب جب کہ میں تمہاری دعوت پر یہاں
آگیا ہوں تو تم مجھ سے برگشتہ ہو گئے ہو۔ اگر تم اپنے وعدوں
سے پھر گئے ہو تو کم از کم میرے خون سے ہاتھ تو نہ رنگو اور
مجھے یہاں سے چلا جانے دو!

اس تقریر پر کوفی لشکر پر سناٹا چھا گیا۔ اور کسی نے کوئی جواب نہ دیا۔
جناب حسینؓ نے آخر میں فرمایا "خدا کا شکر ہے کہ میں نے تم پر حجت
پوری کر دی اور تم کوئی عذر پیش نہیں کر سکتے"۔



نِگہ بُلند، سُخن دلنواز، جاں پُرسوز

مُسلم فاتحین میں عقبہؓ بن نافع کو ایک بُلند مقام حاصل ہے یہی وہ شخص ہیں جنہیں افریقہ کے بیشتر مقامات کی فتح اور مشہور شہر قیروان کا بانی ہونے کا شرف حاصل ہے۔ افریقہ کی آبادی بغاوتوں اور بار بار عہد شکنی میں مشہور ہو چکی تھی ۶۲ھ میں باغی عناصر نے جمع ہو کر پھر بغاوت کر دینے کا مشورہ کیا تو اس زمانے میں عقبہ بن نافع افریقہ کی گورنری چھوڑ کر شام واپس جا چکے تھے لیکن اُن کے بعد ابوالمہاجر کامیاب گورنر ثابت نہ ہُوا۔ چنانچہ عقبہ بن نافع کو دوبارہ افریقہ کی شورش ہٹانے پر مامور کیا گیا۔ عقبہؓ نے قسم کھالی تھی کہ جب تک شہادت کی موت حاصل نہ ہو جائے، اہلِ افریقہ سے برابر لڑتے رہیں گے۔

افریقہ پہنچ کر سب سے پہلے اُنھوں نے بربریوں اور رومیوں کی متحدہ طاقت کو باغہ کے مقام پر شکستِ فاش دی۔ پھر لمبیس، فزان، ودان، قفصہ اور قسطلیہ کو فتح کیا۔ اس کے بعد وہ زاب کے علاقہ میں گھُس گئے اور اربہ اور تاہرت نامی مقامات پر دشمن کو عظیم شکستیں دیں۔ پھر شبتہ

کو فتح کیا اور آخر میں بحرِ روم کے کنارے شمالی افریقیہ کے آخری شہر طنجہ پر قبضہ کر لیا۔ یہاں سے وہ سوسِ ادنٰی کی طرف بڑھے اور یعلی اور نفیس نامی مقامات پر قبضہ کرتے ہوئے سوس اقصٰی تک جا پہنچے۔ یہاں ایک نہایت خونریز معرکے میں بربری فوجوں کو شکستِ فاش دے کر درعہ پر قبضہ کر لیا اس کے بعد وہ بحرِ اطلانتک جسے دوسرے لفظوں میں بحرِ محیط یا بحرِ ظلمات کہا جاتا تھا، کے ساحل تک بڑھتے چلے گئے۔

سمندر پر نظر پڑتے ہی خدا کے حضور میں عرض کیا:

"خدایا! اگر یہ سمندر درمیان میں حائل نہ ہو جاتا، تو جہاں تک تیری زمین ملتی میں تیری راہ میں جہاد کرتا چلا جاتا۔"

پھر اپنے گھوڑے کو پانی میں اتار کر کہا:

"خدایا! تو خوب جانتا ہے کہ میں وہی چاہتا ہوں جو تیرا دوست ذوالقرنین چاہتا تھا کہ تیرے سوا کسی اور کی پوجا نہ کی جائے!"



گھوڑے کا چشمہ

عقبہؓ بن نافع اپنی افریقی مہمات کے سلسلے میں ایک لق و دق صحرا میں سے گزر رہے تھے۔ سفر بہت طویل تھا اور راستہ مفقود۔ پھرتے پھراتے ایک ایسے مقام پر پہنچے جہاں لشکر کے پانی کا ذخیرہ ختم ہو گیا۔ دُور دور تک پانی یا آبادی کا کوئی نام و نشان نہ تھا۔ پانی کی تلاش میں آدمی ادھر ادھر دوڑائے گئے لیکن بے سُود۔ انسانی جانوں اور سواریوں کی ہلاکت کا اندیشہ صاف نظر آرہا تھا۔ فوج سخت پریشان تھی۔ اور بے چینی کے عالم میں کچھ سُوجھتا نہ تھا۔ امیر لشکر عقبہؓ نے دو رکعت نماز پڑھ کر ایک طویل دُعا کی۔ خدا کی شان دیکھو کہ اسی وقت عقبہ کے گھوڑے نے اپنے سُم سے زمین کو کُریدنا شروع کیا۔ جب تھوڑی سی ریت ہٹ گئی تو ایک بڑا پتھر دکھائی دیا۔ عقبہ کے حکم سے اس پتھر کو ہٹایا گیا تو اس کے نیچے سے ٹھنڈے اور خوشگوار پانی کا ایک چشمہ نکل آیا۔ عقبہ نے خوشی کے عالم میں اپنے لشکریوں کو پکارا۔ اہل لشکر نے اس چشمے سے چھوٹی چھوٹی نالیاں مختلف سمتوں میں نکالیں اور

پانی کا ذخیرہ مشکوں اور برتنوں میں جمع کر لیا گیا۔ اس تائیدِ غیبی سے مسلمان بہت خوش ہوئے اور اُس مقام پر معمول سے زیادہ قیام کیا۔

اس چشمے کے ساتھ جو واقعہ وابستہ ہے اسی کی وجہ سے اس مقام کا نام "ماء الفرس" (گھوڑے کا چشمہ) مشہور ہو گیا۔



دینداری اور صلاحیت کی ایک مثال

حکومت حاصل کرنے اور مسندِ اقتدار پر قبضہ کرنے کے لئے خلق خدا کو خون میں نہلا دینے والوں کی دنیا میں کمی نہیں ہے۔ تاریخ ایسے لوگوں کے واقعات سے بھری پڑی ہے لیکن کچھ واقعات تاریخ میں ایسے بھی ہیں جن سے انسانی فطرت کے کچھ دوسرے اوصاف پر روشنی پڑتی ہے۔

یزید کی موت کے بعد سنہ ۶۴ھ میں اس کا نوجوان بیٹا معاویہ تخت نشین ہوا۔ اس وقت اس کی عمر ۲۱ سال کی تھی۔ وہ بڑا دیندار اور نیکوکار شخص تھا۔ اس کے باپ یزید کے زمانے میں جو واقعات اور دلخراش حادثے پیش آ چکے تھے۔ انہیں دیکھ کر معاویہ کا دل حکومت و سلطنت سے متنفر ہو چکا تھا۔ اس لئے وہ تقریباً تین ماہ کے بعد حکومت سے دست بردار ہو گیا۔ اور لوگوں کے سامنے تقریر کرتے ہوئے اس نے کہا:

"مجھ میں حکومت کا بوجھ اٹھانے کی طاقت نہیں ہے میں چاہتا تھا کہ حضرت ابوبکرؓ کی طرح کسی کو اپنا جانشین

بنا دوں لیکن افسوس مجھے کوئی عمرؓ نظر نہ آیا۔ جسے یہ حکومت کی ذمہ داری سونپ دیتا۔ پھر میرا یہ خیال ہوا کہ حضرت عمرؓ کی مانند چھ آدمی چن کر اُن میں سے کسی کا انتخاب شوریٰ پر چھوڑ دوں لیکن ویسے چھ آدمی بھی نہ مل سکے۔ اس لئے میں حکومت و خلافت کے منصب سے دست بردار ہوتا ہوں تم لوگ جسے چاہو اپنا حاکم مقرر کر لو!"

حکومت سے دست برداری کے بعد وہ خانہ نشین ہو گیا اور چند ماہ بعد اس کا انتقال ہو گیا۔ حکومت و سلطنت کی عظیم ذمہ داری کے احساس کے علاوہ حاکم کے انتخاب کے بارے میں اُس کے جو صالح نظریات تھے وہ اس تقریر سے واضح ہیں۔ حضرت امام حسنؓ کی دست برداری کے بعد یہ اس قسم کی دوسری مثال تھی۔



شریفوں اور دینداروں کا شیوہ

۱۷ھ میں عبدالملک بن مروان کے حکم سے مشہور ظالم و سفّاک حجاج بن یوسف ثقفی نے ایک بڑی فوج کے ساتھ عبداللہؓ بن زبیرؓ کو عین حرمِ مکّہ میں محصور کر لیا اور ہر طرف سے محاصرہ تنگ کر کے "سامانِ رسد" کی آمد بالکل بند کر دی مکّے میں قحط پڑ گیا اور گھرے ہوئے لوگ گھوڑے تک ذبح کر کے کھانے پر مجبور ہو گئے۔ ان حالات سے گھبرا کر عبداللہؓ بن زبیر کے ہزاروں آدمی حجاج کے پاس پناہ لینے کے لئے مکّے سے نکل بھاگے عبداللہؓ بن زبیر کے پائے استقلال میں جنبش نہ آئی۔ لیکن حالات یہاں تک شدید ہو گئے کہ اُن کے بعض خاص خاص ساتھی بلکہ لڑکے تک ان کا ساتھ چھوڑ گئے۔ عبدالملک چاہتا تھا کہ اگر ابن زبیرؓ جھک جائیں تو ان سے رعایت کی جائے۔

حالات کی یہ خرابی دیکھ کر ابنِ زبیرؓ اپنی والدہ اسمّاؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت اسمّاؓ جنابِ ابو بکر صدّیقؓ کی صاحبزادی اور اُمّ المومنین حضرتِ عائشہ کی بہن تھیں۔ ابنِ زبیرؓ نے اُن کی

خدمت میں عرض کیا:

"اماں جان میرے ساتھی ایک ایک کر کے مجھ سے الگ ہو گئے ہیں۔ حتیٰ کہ دو لڑکے بھی میرا ساتھ چھوڑ گئے ہیں۔ چند وفادار جاں نثار جو باقی ہیں اُن میں بھی اب مقابلے کی ہمت نہیں ہے۔ ہمارا دشمن ہمارے رعایت کرنے پر آمادہ ہے۔ فرمائیے ایسی حالت میں آپ کا ارشاد کیا ہے؟"

اس سوال کا جو جواب حضرت اسمأ نے دیا، اس پر عورتوں کی تاریخ کو ہمیشہ فخر و ناز کا حق پہنچتا ہے، انہوں نے فرمایا:

"بیٹا تمہیں اپنی حالت کا اندازہ خود ہو گا، اگر تم حق پر ہو اور حق کے لئے لڑتے ہو تو اب بھی اس کے لئے لڑو۔ لڑنا ہرگز موقوف نہ کرو۔ کیونکہ تمہارے بہت سے ساتھیوں نے اسی حق کی خاطر جان دے دی ہے اور اگر تم دنیا پرستی کے لئے لڑ رہے تھے تو تم سے زیادہ بُرا کون خدا کا بندہ ہو سکتا ہے کہ اپنی جان کو بھی ہلاکت میں ڈالا اور ساتھیوں کو بھی ہلاک کرا دیا۔ اگر اب یہ عذر پیدا ہو گیا ہے کہ لڑتے تو حق کے لئے تھے لیکن مددگاروں نے ساتھ چھوڑ دیا تو مجبور ہو گئے ہو تو یاد رکھو شریفوں اور دینداروں کا یہ شیوہ نہیں ہے

کہ مصائب سے گھبرا کر دشمنوں سے امان حاصل کر لیں۔
آخر تمہیں کب تک دنیا میں رہنا ہے، موت تو ایک دن
آنے ہی والی ہے۔ جاؤ حق پر جان دینا دنیا کی زندگی سے
ہزار درجہ بہتر ہے۔"

بہادر ماں کا یہ جواب سُن کر عبداللہؓ بن زبیرؓ نے کہا:
"اماں! مجھے یہ خوف ہے کہ میرے قتل کے بعد
دشمن میری لاش کو بگاڑ کر سُولی پر لٹکا دیں گے۔"

حضرتِ اسمأؓ نے فرمایا:
"ذبح ہو جانے کے بعد بکرے کو کھال اُتارنے
سے تکلیف نہیں ہوتی۔ جاؤ خدا سے مدد مانگ کر
اپنا کام پورا کرو۔ میں ہر حالت میں صبر و شکر سے کام
لوں گی۔ اگر تم مجھ سے پہلے دنیا سے رخصت ہو گئے
تو صبر کروں گی۔ اور اگر کامیاب ہو گئے تو تمہاری کامیابی
پر خوش ہوں گی۔"

یہ کہہ کر بیٹے کو دعائیں دیں اور گلے لگا کر رخصت کیا۔ رخصت
کے وقت پھر فرمایا:
"بسم اللہ! جاؤ اپنا کام پورا کرو!"



ایک نرالا شہسوار

بہادر ماں سے آخری بار رخصت ہو کر عبداللہؓ بن زبیر اپنے بچے کھچے ساتھیوں کے پاس آئے وہ اپنی زرہ حضرت اسماءؓ کے کہنے پر پہلے ہی اتار کر پھینک چکے تھے اب انہوں نے قمیص کے دامن اٹھا کر کمر سے باندھ لئے، آستینیں چڑھائیں اور شہادت سے پہلے آخری تقریر یوں کی :

"اے آلِ زبیرؓ! تلواروں کی جھنکار سے خوفزدہ مت ہو۔ کیونکہ زخم میں دوا لگانے کی تکلیف اصل زخم سے بھی زیادہ ہوتی ہے۔ تم میں سے ہر شخص اپنے مدِ مقابل پر حملہ آور ہو۔ حالت جنگ میں مجھے نہ تلاش کرنا۔ اگر مجھے دیکھنا ہی چاہو تو سب سے آگے دشمنوں سے لڑتا ہوا ملوں گا۔"

عبداللہؓ بن زبیر اپنی جرأت و شجاعت اور جنگی مہارت کی وجہ سے قریش کا لشکر کہلاتے تھے۔ اس وقت ان کی عمر ۷۲ برس تھی۔ لیکن جس طرف کا رخ کرتے اگلی صفوں کو زیروزبر کرتے

ہوئے پچھلی صفوں تک جا پہنچتے اور پھر اسی طرح واپس آتے۔ ان کے ساتھ بہت تھوڑے آدمی رہ گئے۔ حجاج کا لشکر ایک سمندر کی مانند تھا جس میں کئی مرتبہ ابن زبیرؓ تیرے اور کشتوں کے پشتے لگاتے واپس آتے۔

مخالف لشکر کے تیر اندازوں نے اس اکیلے شیر کے جسم کو چھلنی کر دیا اور آخر کار عبداللہؓ بن زبیر شہید کر دیئے گئے۔ حجاج نے ان کا سر عبدالملک کے پاس بھیج دیا اور باقی جسم کو حجون کے مقام پر سولی پر لٹکا دیا۔

کئی دن بعد حضرت اسماؓ اس طرف تشریف لائیں اور لاش کے قریب کھڑے ہو کر فرمایا:

"کیا ابھی وقت نہیں آیا کہ اس شہسوار کو سواری سے اتارا جائے؟"

عبدالملک بن مروان کو جب اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو اس نے حجاج کو لکھا کہ ابن زبیرؓ کی لاش ان کی والدہ کو دیدی جائے۔

حضرت اسماءؓ نے بیٹے کی شہادت پر جس حیرت انگیز صبر و ثبات کا مظاہرہ کیا۔ وہ دنیا کی کم عورتوں کو نصیب ہوتا ہے۔ وہ اس وقت بہت ضعیف تھیں۔ اور بینائی بھی جاتی رہی تھی۔ لیکن اس بوڑھے جسم میں ایمان کا جوش و خروش پھوٹا پڑتا تھا۔



کیا تم موت سے بھاگنا چاہتے ہو؟

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے دورِ خلافت میں سیستان کا غیر مسلم ترک حاکم باغی ہو گیا تھا اور اس نے اسلامی حکومت کو خراج دینے سے انکار کر دیا تھا عبداللہؓ بن زبیر نے خراسان کے گورنر اُمیہ بن عبداللہ کو اس ترک حاکم رُتبیل کی تادیب کا حکم دیا۔ اُمیہ نے اپنے بیٹے عبداللہ کو ایک لشکر دے کر اس مہم پر مامور کیا۔ رُتبیل اطاعت قبول کرنے پر تیار تھا۔ لیکن عبداللہ نے محض جوشِ جوانی اور ناتجربہ کاری کی بنا پر اس کی درخواست کو قبول نہ کیا اور دُور تک اس کے علاقے میں بڑھتا چلا گیا۔ یہ علاقہ پہاڑی اور دشوار گزار تھا۔ رتبیل نے عبداللہ کی ناکہ بندی کر لی اور اُسے پُر پیچ پہاڑی راستوں میں پھنسا لیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عبداللہ کو آئندہ کبھی حملہ نہ کرنے کا تحریری وعدہ کر کے گلو خلاصی کرانا پڑی۔

حضرت ابن زبیرؓ کی شہادت کے بعد کچھ مدت تک رُتبیل خاموش رہا۔ لیکن پھر اس نے سرکشی اور چھیڑ چھاڑ کا رویہ اختیار

کر لیا۔ عبد الملک کے دورِ حکومت میں عبید اللہ بن ابی بکرہ کو اس مہم پر مامور کیا گیا لیکن اس شخص نے بھی وہی غلطی کی جو اس کے پیش رو عبد اللہ سے سرزد ہو چکی تھی۔ وہ سیستان میں پہنچا اور رتبیل کے علاقہ میں گھس کر کئی قلعوں کو مسمار کرنے اور کافی علاقہ پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو گیا اور پھر اس پہاڑی علاقے میں پیش قدمی کرتا ہوا دور تک چلا گیا۔ رتبیل خاموش رہا اور جب دیکھا کہ عبد اللہ کافی دور تک سیستان میں گھس آیا ہے تو ناکہ بندی کر کے واپسی کا راستہ بند کر دیا۔

حالات بڑے نازک تھے۔ امیرِ فوج نے رتبیل کی اس شرط پر رہائی حاصل کرنے پر آمادگی ظاہر کی کہ فی کس ایک معقول رقم ادا کی جائے اور عبید اللہ کے بدلے میں سات لاکھ درہم ادا کئے جائیں۔

ایک پُرجوش مجاہد شریح بن ہانی اس پر بہت سیخ پا ہوئے انہیں کسی طور یہ ننگ گوارا نہ تھا لہٰذا انہوں نے کہا۔ اگر تم نے یہ شرط منظور کر لی تو اس علاقے اسلام ہمیشہ کے لئے کمزور ہو جائے گا۔

"کیا تم موت سے ڈر کر بھاگنا چاہتے ہو، حالانکہ اس کا ایک ایک دن آنا یقینی ہے۔"

یہ کہہ کر شریح نے ایک جانباز دستے کو ساتھ لیا اور مردانہ وار لڑ کر جان دے دی لیکن کفار کے سامنے جھکنے اور تاوانِ ادا کرنے کی ذلت گوارا نہ کی۔



قتیبہ بن مسلم باہلی کی قسم

قتیبہ بن مسلم باہلی اسلام کے مشہور فاتحین میں سے تھا۔ ولید بن عبدالملک کے زمانہ حکومت میں اس نے سلطنت کی توسیع، باغیوں کی سرکوبی اور مفتوحہ علاقوں کے انتظام میں حیرت انگیز قابلیت اور تجربے کا ثبوت دیا۔ اس نے ترکستان اور چین میں اپنی بہادری، حوصلہ مندی، جنگی مہارت اور خوش انتظامی سے پے در پے بہت سی فتوحات حاصل کیں اور طخارستان، بخارا، بادغیس، فرغانہ اور سمرقند کو فتح کرتا ہوا چین کی عظیم وسیع سلطنت میں دُور تک گھستا چلا گیا۔ خاقانِ چین نے سمرقند کے معرکوں میں اسلامی فوجوں کے دشمنوں کی مدد کی تھی۔ اور اپنے لڑکے کو امدادی فوج کا سپہ سالار بنا کر بھیجا تھا۔ قتیبہ بن مسلم نے خاقانِ چین کا یہ رویہ دیکھ کر قسم کھائی تھی کہ جب تک سلطنتِ چین کو اپنے گھوڑوں کی ٹاپوں سے پامال کر کے خاقان سے جزیہ وصول نہ کرے گا، چین سے ہرگز نہیں ٹلے گا۔

کاشغر کی فتح کے بعد جب چینی علاقے یکے بعد دیگرے اسلامی

لشکر کے قبضہ میں آنے لگے تو خاقان چین نے صلح کی گفتگو کی طرح ڈالی۔ قتیبہ بن مسلم نے دس چیدہ آدمیوں کا وفد ہُبیرہ بن مشرح کی سرکردگی میں خاقان کے دربار میں روانہ کیا۔ خاقان نے اس وفد سے کئی ملاقاتیں کیں، اور آخری ملاقات میں وفد کے راہ نما ہبیرہ کو خوب دھمکانے کی کوشش کی گئی۔ اور کہا تم جا کر اپنے سردار قتیبہ سے جاکر کہہ دو کہ یہاں سے لوٹ جائے مجھے تمہاری تعداد کا علم ہے، اگر تم واپس نہ گئے تو میں ایک ایسی بڑی فوج تمہارے مقابلے میں بھیجوں گا جو تمہیں تباہ و برباد کر ڈالے گی۔

ہبیرہ نے خاقان کو اس کے جواب میں کہا:

"تم اس قوم کی تعداد کو کیسے کہہ سکتے ہو جس کا ایک سرا تمہارے ملک میں ہے اور دوسرا سرا شام میں ہم لوگ موت سے ڈرنے والے نہیں، موت کا وقت مقرر ہے جس پر وہ آکر رہے گی اور لڑ کر جان دینا باعزّت موت ہے۔ اس لئے نہ ہم قتل سے ڈرتے ہیں اور نہ اُسے بُرا جانتے ہیں، ہمارے سردار نے قسم کھالی ہے کہ جب تک تمہاری سرزمین کو پیروں سے پامال کر کے جزیہ وصول نہ کر لے گا واپس نہیں جائے گا۔"

اس گفتگو سے خاقان کی ترکی تمام ہو گئی۔ وہ ترکستان کا حشر دیکھ چکا تھا۔ اور خواہ مخواہ مسلمانوں سے بھڑنا نہیں چاہتا تھا چنانچہ وہ اطاعت پر آمادہ ہو گیا۔ اور جزیہ ادا کر کے بہت سے قیمتی تحفے قتیبہ کو بھیجے اور ساتھ ہی اپنے ملک کی مٹی ایک بوری بھیج دی۔ تاکہ قتیبہ بن مسلم اُسے پاؤں تلے روند کر اپنی قسم پوری کر لے۔



میں واقعی نیک بخت ہوں

بنو اُمیّہ کی تاریخ کو جن لوگوں نے اپنے ظلم و ستم اور سیاہ کاریوں سے داغدار کیا تھا، اُن میں حجاج بن یوسف بہت مشہور ہے۔ اس شخص کی سنگدلی اور سفاکی سے تنگ آکر کئی مرتبہ لوگوں نے بغاوتیں بھی کیں لیکن جب اس نے ان بغاوتوں کو فرو کیا تو پہلے سے کئی گنا زیادہ ظلم و ستم اور خونریزی کا ارتکاب کیا۔ لاشوں کو تڑپانے اور معمولی غلطیوں پر خون کی ندیاں بہانے سے اسے لطف حاصل ہوتا تھا۔ اس کی گورنری کے زمانے میں عبدالرحمٰن بن محمد ابن اشعث نے ظلم و ستم اور سختیوں سے تنگ آکر بغاوت کر دی تھی۔ وقت کے بڑے بڑے نامور فقہاء اور نیکوکار علماء نے ابن اشعث کا ساتھ دیا تھا۔ بدقسمتی سے بغاوت ناکام ہوگئی اور اس میں شامل ہونے والوں یا ابنِ اشعث سے ہمدردی والوں کو حجاج نے ہولناک تکلیفیں پہنچائیں۔ بہت سوں کو قتل کر دیا اور بعض کو ذلیل و خوار کر کے معاف کر دیا۔ قتل ہونے والوں میں مشہور تابعی حضرت سعیدؓ بن جبیر بھی تھے۔ ابنِ اشعث کی

ناکامی کے بعد سعیدؒ بن جبیر اصفہان، آذربائیجان کے مختلف مقامات پر روپوش رہے اور آخر کار مکہ میں جا کر پناہ گزین ہو گئے۔

ان دنوں حجاز کے گورنر حضرت عمرؒ بن عبد العزیز تھے۔ جن کی نیکی اور راست بازی کے باعث بہت سے مظلوم عراق وغیرہ سے نکل کر حجاز میں پُر امن زندگی بسر کر رہے تھے۔ حجاج کی شکایت پر ولید بن عبد الملک نے عمرؒ بن عبد العزیز کو حجاز کی حکومت سے معزول کر دیا۔ اور مکہ کی حکومت خالد بن عبد اللہ قسری کے سپرد کی۔ خالد قسری نے گورنر بنتے ہی اہلِ عراق کو گرفتار کر کے حجاج کے پاس بھیجنا شروع کر دیا۔ چنانچہ سعیدؒ بن جبیرؒ کو بھی پا بجولاں کر کے کوفہ پہنچا دیا گیا۔ سعیدؒ بن جبیر کو کوفہ میں خود انہی کے مکان میں ٹھہرایا گیا، جہاں ان کے اہل و عیال نے اُن کی ہتھکڑی اور بیڑیاں دیکھ کر سخت بے چینی کا اظہار کیا۔ سعیدؒ نے اپنی ایک چھوٹی بچی کو گود میں لیا تو وہ اُن کی بیڑیاں دیکھ کر بلک بلک کر رونے لگی۔ صبح کو اُنہیں حجاج کے سامنے لے جایا گیا۔ جہاں انہوں نے اس ظالم و سنگدل کے سامنے نہایت بے پروائی سے بیباکانہ گفتگو کی۔ وہ حجاج کی بعض باتوں کو قابلِ جواب نہ پا کر خاموش رہتے اور جس بات کا جواب دیتے، پوری بے باکی و بے خوفی سے دیتے۔ گفتگو ختم ہوئی تو حجاج نے کہا "خدا کی قسم میں تمہیں ضرور قتل

کروں گا۔"

سعیدؒ بن جبیر بولے: "اگر تم نے ایسا کیا تو میں واقعی سعید (نیک بخت) ہوں گا جیسا کہ میری ماں نے میرا نام سعید رکھا تھا۔ لیکن تیرے شقی (بدبخت) ہونے میں کوئی شبہ نہ رہے گا۔"

اس پر حجاج غصہ سے پیچ و تاب کھانے لگا۔ تھوڑی دیر کے بعد اس نے کہا۔ "اچھا یہ بتاؤ تم کس طرح قتل ہونا پسند کرو گے؟"

ابن جبیرؒ نے نہایت بے پروائی سے جواب دیا۔ "اسی طرح جس طرح تم میرے قصاص میں خدا کے ہاں مارا جانا پسند کرو!"

اس پر حجاج نے جلاد کو قتل کا حکم دیا۔ جب تلوار گردن پہ پڑی تو سر اچھل کر زمین پہ پڑا۔ اس وقت ابن جبیر کے سر پہ ایک چھوٹی سی ٹوپی چپکی ہوئی تھی۔ جب سر زمین پہ گرا تو اس میں سے ایک مرتبہ بلند آواز سے اور دو مرتبہ آہستہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ کی آواز نکلی۔ حجاج یہ نظارہ دیکھ کر بدحواس ہو گیا اور موت کے دن تک اس کی یہ حالت تھی کہ اکثر کہا کرتا:

"میرا اور سعید کا معاملہ بڑا خطرناک ہے!"



مُسلم فاتحین کے اصولِ جہانبانی

ولید بن عبدالملک کے زمانۂ حکومت میں مسلمانوں نے سندھ راجپوتانہ، کشمیر اور پنجاب کے کچھ حصوں کو بھی فتح کرلیا تھا۔ اس سے پہلے سرحدی جھڑپیں ہوتی رہتی تھیں۔ لیکن سندھ اور دوسرے علاقوں کی باقاعدہ فتح کا سہرا سترہ سالہ نوجوان مُحمّد بن قاسم کے سر ہے۔ دیگر وجوہ کے علاوہ اس کا فوری باعث سندھ کے راجہ داہر کا مسلمانوں کے جہازوں کا مال واسباب اور عورتوں بچوں سمیت لوٹ لینا تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ غیرتِ اسلامی شباب پر تھی۔ اس فوری واقعہ نے عرب میں آگ لگا دی اور حاکم عراق حجاج بن یوسف نے اپنے بھتیجے اور داماد محمدؒ بن قاسم کو اس مُہم پر مامور کیا۔ ابنِ قاسمؒ سے پہلے کئی مُہمیں ناکام ثابت ہو چکی تھیں، اس لئے عرب بھر کی نگاہیں اس مہم کی طرف لگی ہوئی تھیں۔ محمد بن قاسم نے سندھ کو ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک زیر و زبر کر ڈالا۔ راجہ داہر قتل ہُوا۔ اس کی فوج تتر بتر ہو گئی اور اسلامی حکومت کے قدم پختہ طور پر اس سرزمین میں جم گئے۔ مُحمّد بن قاسم صرف ایک

عظیم فاتح اور فنونِ حرب و ضرب کا دھنی ہی نہ تھا بلکہ قدرت کی فیاضیوں نے اس نوجوان کو جہانبانی اور جہانداری کے نشیب و فراز سے بھی پوری طرح بہرہ ور کیا تھا۔ اس نے مفتوحہ علاقوں کا ایسا اچھا انتظام کیا کہ تھوڑے ہی عرصے میں اس کی رعایا اس پر جان چھڑکنے لگی۔ اس کے اخلاق و رواداری سے متاثر ہو کر کئی راجے مہاراجے اور رئیس داخلِ اسلام ہو گئے۔ غیر مسلموں کو اُس نے پوری مذہبی آزادی دی اور رعیت کے مختلف طبقوں کے درمیان کوئی امتیاز روا نہ رکھا۔

اِدھر بنو اُمیہ کی شان و شوکت کی جڑوں میں گھن لگنا شروع ہو گیا تھا اور برسرِ اقتدار خاندان کے افراد میں گروہ بندی حسد و بغض اور چپقلش شروع ہو چکی تھی۔ ولید کے بعد اس کا بھائی سلیمان سریر سلطنت پر بیٹھا اور اس نے چُن چُن کر ولیدی دَور کے امراء و عمائد پر بے پناہ ظلم و ستم کا سلسلہ شروع کر دیا۔ فاتح سندھ مُحمد بن قاسم، فاتح اندلس موسیٰ بن نصیر اور دوسرے کئی مشہور لوگ بھی ظلم کی چکی میں پس گئے۔ مُحمد بن قاسم کی ہندوستانی رعایا اس کی جاں نثار تھی۔ اگر وہ چاہتا تو اس ملک میں ایک خود مختار حکومت قائم کر لیتا اور مرکزی حکومت کے لئے بے پناہ مشکلات کا باعث بنتا لیکن بہادر اور دلیر ہونے کے ساتھ وہ نظم و ضبط اور اتحاد و اتفاق کا عظیم حامی ثابت ہُوا

اور جب دار الخلافہ سے اس کی طلب ہوئی تو بلا عذر سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر عرب کو روانہ ہو گیا۔

جب ابنِ قاسم روانہ ہو رہا تھا تو سندھ اور پنجاب کی غیر مسلم رعایا دھاڑیں مار مار کر رو رہی تھیں اور اس کے دامن سے لپٹ کر واپسی کا ارادہ منسوخ کر دینے کی التجا کر رہی تھیں۔ اس کی روانگی کے بعد ان لوگوں نے ابنِ قاسمؒ سے محبت و عقیدت کے طور پر اس کا مجسمہ اور تصویریں بنا کر رکھیں۔



سرزمین اندلس میں طارق ابنِ زیاد کی پہلی تقریر

ولید بن عبدالملک کے دورِ حکومت میں اندلس (سپین) پر ایک ظالم اور عیش پرست بادشاہ راڈرک (الذریق) حکومت کرتا تھا۔ وہ رعایا کی حسین وجمیل لڑکیوں کو زبردستی اپنی ہوس کا شکار بنایا کرتا تھا۔ لوگ اندر ہی اندر کڑھتے تھے۔ لیکن اس ظالم خونخوار بھیڑیئے سے، نجات کی کوئی صورت سمجھ میں نہ آتی تھی۔ سبتہ کے حاکم کاؤنٹ جولیان کی نوجوان لڑکی بھی راڈرک ہوس کا نشانہ بن چکی تھی۔ اور وہ اس ظالم درندے سے انتقام پر تلا ہوا تھا۔ انہی دنوں میں افریقہ میں مسلمانوں کی ایک تازہ دم طاقت ابھر رہی تھی۔ موسیٰ بن نصیر مشہور فاتح کو کاؤنٹ جولیان نے خطوط لکھے اور خود بھی ملاقات کر کے سپین پر حملہ کرنے کی ترغیب دلائی۔ موسیٰ بن نصیر نے ولید کی اجازت سے پہلے اپنے غلام طریف کو دریافت احوال کے لئے بھیجا اور پھر سات ہزار کی فوج دے کر اپنے دوسرے غلام طارق

بن زیاد کو اندلس کی فتح پر مامور کیا۔ کاونٹ جولیان کی راہنمائی میں طارق نے آبنائے کو عبور کر کے جبل الطارق (جبرالٹر) پر اپنا لشکر اتار دیا اور آگے بڑھنے سے پہلے جن جہازوں میں یہ لوگ افریقہ سے آئے تھے انہیں آگ لگوا دی تاکہ کسی کے دل میں واپسی کا خیال باقی نہ رہے۔

راڈرک کو جب اطلاع ملی تو وہ ایک لاکھ فوج لے کر طارق کے سامنے آ خیمہ زن ہؤا۔ اس عرصے میں موسیٰ نے پانچ ہزار فوج اور بھیج دی۔ وادیٔ لکہ میں مقابلہ ہؤا۔ میدانِ جنگ میں طارق نے فوج سے یوں خطاب کیا:

"اے میرے ساتھیو! میدان جنگ سے بھاگنے کی اب کوئی صورت نہیں۔ آگے دشمن ہے اور پیچھے سمندر۔ خدا کی قسم! صرف پامردی اور استقلال میں نجات ہے یہی وہ فاتح فوجیں ہیں جو مغلوب نہیں ہو سکتیں۔ اگر یہ دو باتیں موجود ہیں تو تعداد کی کمی سے کچھ نقصان نہیں پہنچ سکتا۔ لیکن بزدلی، کاہلی، سستی، نامردی، اختلاف اور غرور کی موجودگی میں تعداد کی کثرت کوئی فائدہ نہیں دے سکتی۔ لوگو! میری تقلید کرو۔ جب میں حملہ کروں تو تم بھی حملہ کر دینا اور جب رُک جاؤں تو تم بھی رُک جانا۔ جنگ

کے وقت سب مل کر ایک جسم بن جاؤ۔ میں اس سرکش (راڈرک) پر حملہ کر کے دست بدست مقابلہ کروں گا۔ اگر میں اس حملے میں شہید ہو گیا تو رنج و غم نہ کرنا اور نہ میرے بعد آپس میں اختلاف کرنا۔ اس سے تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی اور تم برباد ہو جاؤ گے۔ خبردار! ذلّت پر ہرگز راضی نہ ہونا اور اپنے آپ کو دشمن کے حوالہ مت کرنا۔ اللہ تعالیٰ نے جہاد اور جفاکشی کے ذریعہ سے دنیا میں جو تمہارے لئے عزّت و شرف اور آخرت میں شہادت کا جو ثواب مقرر کیا ہے۔ اس کی طرف بڑھو۔"

اس پُرجوش تقریر کے بعد طارقؒ یکلخت اپنے بارہ ہزار ساتھیوں سمیت راڈرک کے ٹڈی دل لشکر پر ٹوٹ پڑا۔ اور تھوڑی ہی دیر میں میدان صاف تھا۔ فتح و نصرت کی خوشیوں کے ساتھ مجاہدین نے سرزمین اندلس پر پہلی نمازِ شکرانہ ادا کی۔



فقرِ غیّور

حضرت سعیدؒ بن المسیب بہت بڑے تابعی گزرے ہیں۔ اللہ تعالےٰ نے انہیں علم و فضل کے ساتھ ساتھ زُھد و قناعت اور عملِ صالح کی صلاحیتوں سے بھی مالا مال کیا تھا۔ وہ بہت بڑے محدث، فقیہہ اور مفسرِ قرآن تھے۔ اُن کا اکثر وقت مسجد نبویؐ میں تعلیم و تدریس اور ذکر و فکر میں بسر ہوتا تھا۔ لوگ احترام سے اُن کے سامنے آنکھیں نہیں اٹھاتے تھے۔ جدھر کو نکل جاتے عوام دیوانہ وار ان کی زیارت اور ملاقات کے لئے ٹوٹ پڑتے تھے۔ حجاج کی شکایت پر ولید بن عبدالملک نے حجاز کی گورنری سے حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز کو معزول کر دیا تھا لیکن ان کے زمانہ حکومت میں مسجد نبویؐ کی از سرِ نو تعمیر ہوئی تھی اور ولیدؔ سنہ ۹۱ھ میں حج سے فارغ ہو کر مسجد نبویؐ کی عمارت کو دیکھنے مدینہ آیا ہوا تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز بھی مدینہ میں موجود تھے۔ مدینہ کے گورنر نے ولیدؔ کے مسجد کے اندر داخل ہونے سے پہلے سب لوگوں کو حکماً مسجد سے باہر نکال دیا

لیکن سعید بن المسیب بار بار پولیس کے کہنے کے باوجود مسجد سے باہر نہ نکلے اور فرمایا کہ جب تک میرے نکلنے کا وقت نہ آئے گا، باہر نہیں جاؤں گا۔

ولید حضرت عمرؒ بن عبد العزیزؒ کے ساتھ گھوم پھر کر مسجد کی عمارت کو دیکھتا رہا۔ حضرت عمرؒ فرماتے ہیں کہ میں ولید کو ادھر ادھر گھماتا تھا لیکن اس طرف نہ لے جاتا جہاں سعید بن المسیب بیٹھے تھے۔ کسی سرکاری ملازم نے سعیدؒ سے کہا کہ اٹھ کر امیر المومنین کی تعظیم کیجئے تو انہوں نے فرمایا کہ "مسجد خدا کا گھر ہے اور میں اس کی عبادت کے لئے بیٹھا ہوں اس لئے ہرگز ولید کے لئے نہیں اٹھوں گا۔"

آخر پھرتے پھراتے ولید کی نظر سعیدؒ پر پڑ گئی۔ اس نے دریافت کیا کہ یہ کون بزرگ ہیں؟ عمر بن عبد العزیزؒ نے جواب دیا۔ "جی ہاں یہ سعید ہیں۔ اللہ نے انہیں یہ فضائل عطا کئے ہیں انہیں اگر آپ کے آنے کی خبر ہوتی تو ملاقات کے لئے ضرور اُٹھتے اور سلام کہتے۔ لیکن نگاہ کمزور ہے۔ اس لئے معذور ہیں۔

ولید نے کہا "کوئی بات نہیں۔ میں خود ان کی خدمت میں حاضر ہوں گا۔ چنانچہ مسجد کی عمارت دیکھ کر ولید وہاں پہنچا جہاں سعید بن المسیب بیٹھے تھے۔ انہیں سلام کہا

اور خیریت دریافت کی۔ سعید بن المسیب کے جسم میں ذرہ برابر حرکت پیدا نہ ہوئی۔ بیٹھے بیٹھے صرف یہ فرمایا "الحمد للہ! میں بخیریت ہوں - فرمایئے آپ کا کیا حال ہے؟"

تھوڑی سی گفتگو کے بعد ولید وہاں سے یہ کہتے ہوئے واپس ہوا کہ :

"ہمارے پچھلے بزرگوںؒ کی یہ آخری نشانی ہے!"



ذمّہ داری کا احساس

سُلیمان بن عبدالملک اُموی نے مشہور محدث رجاؒ بن حیوہ کے مشورے اور ترغیب سے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ اُموی کو اپنا ولیعہد بنایا۔ لیکن چونکہ بنی اُمیّہ کی مخالفت کا اندیشہ تھا۔ اس لئے سلیمان نے وصیت لکھوا کر سر بمہر کروادی اور تاکید کر دی کہ میری موت کے بعد ہی یہ وصیت نامہ کھولا جائے۔ اور اس وقت میری زندگی میں نامزد خلیفہ کی بیعت بغیر نام ظاہر کئے لے لی جائے شاہی خاندان کے افراد کے وہم گمان میں بھی یہ بات نہ تھی کہ عمرؒ بن عبدالعزیزؒ کو ولیعہد بنایا جا رہا ہے۔ اس لئے سلیمان کی زندگی میں انہوں نے خوشی خوشی ولیعہد کا نام جانے بغیر بیعت کر لی سلیمان کی موت کے بعد رجاؒ بن حیوہ نے اس خطرہ سے کہ کہیں موت کی خبر سننے کے بعد شاہی خاندان کے افراد بیعت میں لیت و لعل نہ کریں، موت کی خبر کو اتنی دیر تک چھپائے رکھا، جب تک دوبارہ تمام اہلِ خاندان سلیمان کی وصیت پر بیعت نہ کر چکے۔ بیعت کے بعد وصیت نامہ برسرِ عام کھول کر سُنایا گیا۔ ہشام بن عبدالملک نے عمر بن عبدالعزیزؒ کا نام

سُن کر بیعت کرنے سے انکار کر دیا۔ لیکن رجاءؒ بن حیوہ نے کہا کہ خاموشی سے بیعت کرو ورنہ تمہارا سر قلم کر دوں گا اور عمرؒ بن عبد العزیز کا ہاتھ پکڑ کر انہیں ممبر پہ بٹھا دیا۔

خلافت کا بوجھ سر پہ آتے ہی عمرؒ بن عبد العزیز کی زندگی بالکل بدل گئی۔ اس سے پہلے اُن کی خوش لباسی اور نفاست کا یہ عالم تھا کہ جس لباس پہ ایک مرتبہ کسی کی نظر پڑ جاتی پھر وہ نہ پہنتے تھے ہر وقت خوشبو سے معطر رہتے اور بالوں اور کپڑوں پہ عنبر کا سفوف چھڑکتے تھے۔ ان کے زمانۂ شہزادگی میں خوش پوشاکی اور جامہ زیبی میں کوئی ان کا ثانی نہ تھا۔ لیکن تختِ خلافت پر قدم رکھتے ہی انہوں نے ابوذر غفاریؓ اور ابوہریرہؓ کا روپ دھار لیا۔

سلیمان کی تجہیز و تکفین کے بعد جب بیعت عام ہو چکی تو حسب دستور ان کے سامنے سواری پیش کی گئی تو انہوں نے یہ کہہ کر اسے واپس کر دیا کہ "میرے لئے میرا خچر کافی ہے"

گھر پہنچے تو خلافت کے عظیم بوجھ کی ذمہ داری کے احساس سے چہرہ متفکر اور پریشان تھا۔ گھر میں خوشیاں منائی جا رہی تھیں خادمہ نے پوچھا: "خیر تو ہے۔ آپ اس قدر متفکر کیوں ہیں؟"

فرمانے لگے:

اس سے بڑھ کر فکر اور تشویش کی بات اور کیا

ہو سکتی ہے کہ مشرق و مغرب میں امتِ محمدیہ کا کوئی فرد ایسا نہیں جس کا مجھ پر حق نہ ہو۔ اور نہ مطالبہ و اطلاع بغیر اس کا ادا کرنا مجھ پر فرض نہ ہو!"

خلافت کے متعلق اُن کا نظریہ اور امیر المومنین ہونے کی حیثیت سے ان کا عمل ان الفاظ سے واضح ہے۔



خلافت کا اِسلامی تصوّر

حضرت عمرؒ بن عبدالعزیزؒ خلافت کی عظیم تر ذمہ داریوں سے گھبراتے تھے۔ علاوہ ازیں چونکہ ان کا انتخاب مشورہ سے نہیں ہوا تھا اس لئے کافی غور و فکر کے بعد آپ خلافت دست برداری کے لئے تیار ہو گئے۔ اور مجمع عام میں اعلان فرمایا:

"لوگو! مجھ پر خلافت کا بوجھ ڈال دیا گیا ہے، نہ میری رائے لی گئی، نہ میں اس کا خواہشمند تھا اور نہ عام مسلمانوں سے اس کے متعلق مشورہ لیا گیا۔ اس لئے خوب سُن لو کہ میری بیعت کا جو طوق تمہاری گردنوں میں ہے میں خود اتارے لیتا ہوں۔ اب تم جسے چاہو، اپنا خلیفہ منتخب کر لو!"

سارا مجمع بیک آواز بول اٹھا "ہم نے آپ کو خلیفہ منتخب کیا اور ہم سب آپ کی خلافت پر راضی ہیں"۔

جب آپ کو یقین ہو گیا کہ سب لوگ آپ کی خلافت سے راضی ہیں تو آپ نے یہ عظیم بوجھ اٹھانے پر آمادگی ظاہر کی اور ایک مفصل

تقریر فرمائی جس میں مسلمانوں کے حقوق و فرائض بیان کئے۔ اس تقریر میں یہ بھی فرمایا:۔

"جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں اور نہ قرآن کے بعد خدا کی طرف سے کوئی کتاب آئے گی۔ جو چیز حلال ہے، وہ قیامت تک کیلئے حلال ہے اور جو چیز حرام ہے وہ بھی ہمیشہ کیلئے حرام ہے۔ میں اپنی طرف سے کوئی فیصلہ کرنے والا نہیں ہوں۔ بلکہ صرف خدا کے احکام کو چلانے والا ہوں۔ میں کوئی نئی بات پیدا کرنے والا نہیں بلکہ احکام شرع کی پیروی کرنے والا ہوں۔ کسی کو یہ حق حاصل نہیں کہ خدا کی نافرمانی میں اس کی اطاعت کی جائے۔ جو خدا کی اطاعت کرے اُس کی اطاعت واجب ہے اور جو اس کی نافرمانی کرے، اس کی فرمانبرداری جائز نہیں۔ جبتک میں خدا کے احکام کی پیروی کروں تم میری اطاعت کرو۔ اور اگر میں اس کی نافرمانی کروں تو میری فرمانبرداری تم پر فرض نہیں ہے۔ تمہارے مقابلے میں میری کوئی امتیازی حیثیت نہیں۔ البتہ خدا نے مجھ پر تم سے زیادہ ذمہ داری کا بوجھ ڈال دیا ہے۔"



اہل وعیال خدا کے سپرد ہیں

عمرؒ بن عبد العزیزؒ نے خلافت سنبھالنے کے بعد اصلاح و تجدید کا کام شروع کیا۔ اس سلسلے میں سب سے مقدم فرض رعایا اور زیر دستوں کے اس مال اور جائیداد کی واپسی تھی، جسے شاہی خاندان کے ارکان، گورنروں اور رئیسوں نے اپنی جاگیر بنا لیا تھا۔ یہ کام بڑا نازک تھا۔ اس کو ہاتھ میں لینا گویا سارے خاندان کی مخالفت مول لینا تھا۔ لیکن انہوں نے ابتدا اُسی سے کی۔ چنانچہ خلیفہ ہونے کے بعد اُنہوں نے قریش اور دوسرے قبائل کے لوگوں کو جمع کر کے کہا:

"فدک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر انتظام تھا۔ پھر ابوبکرؓ و عمرؓ اپنے دور میں اس کا اہتمام کرتے رہے لیکن کسی نے اسے ذاتی ملکیت نہ بنایا اور اس کی آمدنی کو انہی مصارف میں خرچ کیا جن میں حضورؐ صرف فرماتے تھے آخر میں مروان نے اسے اپنی جاگیر میں لے لیا۔ اور اب وہ مجھے ملا ہے۔ میں تم لوگوں کو گواہ کر کے کہتا ہوں کہ میں فدک

کو پھر اسی مصرف میں واپس کرتا ہوں جس میں وہ حضورؐ کے زمانے سے چلا آرہا تھا۔"

پھر اپنے غلام مزاحم سے فرمایا کہ:

"زمین کے جو قطعات مجھے جاگیر میں ملے تھے، نہ اُن کے دینے والوں کو دینے کا اختیار تھا، نہ مجھے لینے کا حق تھا۔ اس لئے میں نے طے کیا ہے کہ ان سے دست بردار ہو جاؤں۔"

مزاحم نے عرض کیا کہ حضرت پھر اہل و عیال کی روزی کا سامان کیا ہوگا؟ یہ سُن کر آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور فرمایا کہ:

"اہل و عیال کو خدا کے سپرد کرتا ہوں۔"

اُن کے نوعمر بیٹے عبدالملک کو جب اُن کے ارادے کا پتا چلا تو وہ باپ کی خدمت میں حاضر ہو کر دریافت کرنے لگا کہ "جاگیر کے بارے میں آپ نے کیا فیصلہ فرمایا ہے؟"

اُنہوں نے جواب دیا کہ: خدا نے چاہا تو شام تک یہ کام کر ڈالوں گا۔"

سعادتمند بیٹا بولا کہ "حضور! جلد کیجئے کیا معلوم رات تک کیا ہو جائے یا آپ کے دل میں کوئی اور خیال پیدا ہو جائے۔"

عمرؒ بن عبدالعزیز نے بیٹے کی اس سعادت مندی پر اللہ کا شکر ادا کیا اور اسی وقت اپنی جاگیروں کے احکام منگوا کر قینچی سے ریزہ ریزہ کر ڈالے اور اُنہیں اصل حقداروں اور مالکوں کو واپس کر دیا۔ اُن کے اہل خاندان بہت چیخے چلائے،

احتجاج کیا، بعض نے بغاوت کی دھمکی بھی دی لیکن انہوں نے کچھ پرواہ نہ کی اور ایک ایک کر کے ساری ناجائز جاگیریں اصل حقداروں کو واپس کر دیں اور اپنے اہل خاندان سے فرمایا۔

"واللہ! اگر اس حق کام میں تم میری مدد نہ کرو گے
تو میں تمہیں ذلیل و رسوا کر کے چھوڑوں گا۔"



فاروقی خون رنگ لا کر رہا!

بنو اُمیہ نے بالعموم اور مروان نے بالخصوص حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز کو اُن کے اصلاحی ارادوں سے روکنے کے بڑے جتن کئے۔ خفیہ خط لکھے۔ دھمکیاں دیں بغاوت سے ڈرایا رشتہ داری کے واسطے دیئے۔ لیکن عمرؒ اپنے لئے جو راستہ منتخب کر چکے تھے وہ اسی پر بڑھتے چلے گئے۔ جب اُن کے اہل خاندان نے دیکھا کہ وہ کسی طرح باز نہیں آتے تو ایک دفعہ ان کی پھوپھی فاطمہ بنتِ مروان کو سفارشی بنا کر اُن کے پاس بھیجا۔ عمرؒ بن عبدالعزیز اپنی پھوپی کا بہت ادب لحاظ کرتے تھے اور اسی احترام کو بنی اُمیہ نے اپنے مقاصد کے لئے استعمال کرنا چاہا تھا۔ فاطمہ بنت مروان نے ان سے کہا کہ بیٹا! "تمہارے رشتہ دار شکایت کرتے ہیں کہ تم نے ان سے دوسروں کی دی ہوئی روٹی بھی چھین لی ہے، چہ جائیکہ خود اُنہیں کچھ دیتے۔"

اُنہوں نے جواب دیا کہ: "پھوپھی جان! میں نے اُن لوگوں کا کوئی حق نہیں روکا۔"

پھوپھی نے کہا۔ "سب لوگ شکایت اور چیخ پکار کر رہے ہیں اور مجھے خوف ہے کہ وہ تمہارے خلاف بغاوت نہ کر دیں۔"

عمرؒ بن عبدالعزیزؒ بولے کہ: "اگر میں قیامت کے دن کے سوا کسی اور دن سے ڈروں تو اللہ تعالیٰ مجھے اس کی برائیوں سے نہ بچائے۔"

اس کے بعد انہوں نے ایک اشرفی، گوشت کا ایک ٹکڑا اور آگ کی انگیٹھی منگوائی۔ اشرفی کو آگ میں تپا کر گوشت پر رکھا۔ جب وہ بھن گیا تو فرمانے لگے۔ "پھوپھی جان! کیا تم اپنے بھتیجے کے لئے اس قسم کے عذاب سے پناہ نہیں مانگتیں؟"

پھر بولے۔ "اے پھوپھی! سنئے۔ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا کے لئے رحمت بنا کر بھیجا۔ آپؐ نے ایک ایسا چشمہ چھوڑا، جس میں سے پانی پینے کا حق سب کے لئے یکساں تھا۔ پھر ابوبکرؓ و عمرؓ نے بھی اس چشمہ کو اسی حالت میں رکھا۔ بعد ازاں یکے بعد دیگرے وہ چشمہ یزید، مروان، عبدالملک، ولید اور سلیمان کے ہاتھوں میں آیا اور اُن لوگوں نے اس چشمے میں سے نہریں نکالیں جن کی وجہ سے وہ خشک ہو گیا ہے۔ اب جب تک اس چشمے کو دوبارہ اس کی پہلی حالت پر نہ لایا جائے گا، لوگ اس سے سیراب نہ ہو سکینگے۔

خدا کی قسم! اگر میں زندہ رہا تو تمام نہروں کو بند کر کے چشمے کو اس کی اصلی حالت پر لے آؤں گا۔"

فاطمہ یہ سُن کر کہنے لگی۔ "بیٹا! تمہارے بھائیوں کے اصرار سے میں تم کو سمجھانے آئی تھی لیکن جب تمہارا خیال یہ ہے تو اب میں کچھ نہیں کہتی۔"

یہ کہہ کر فاطمہ بنت مروان واپس بنو اُمیہ کے پاس گئی۔ اُنہیں سارا قصہ سُنایا۔ اور کہا:

"یہ سب تمہارا اپنا ہی کیا دھرا ہے۔ نہ تم عمرؓ بن خطاب کے بیٹے عاصمؓ کی لڑکی کو عبدالعزیز سے بیاہتے نہ آج یہ دن دیکھنا پڑتا۔ عمرؒ بن عبدالعزیز اپنے ننھیال پر گیا ہے۔ اس میں عمرؓ بن الخطابؓ کا خون اور انہی کا سارا دم خم ہے۔ اب تو تمہیں سب کچھ بھگتنا ہی ہو گا۔ چُپکے سے برداشت کرو۔"



ہادی یا تحصیلدار

حجاج حکومت کی آمدنی بڑھانے کیلئے نومسلموں سے بھی جزیہ وصول کرتا تھا یہ صریحاً ظلم اور ہدایاتِ کتاب و سنّت کے خلاف تھا۔ اس جفا کاری کا نتیجہ یہ نکلا کہ تبلیغِ اسلام کے راستے بند ہو رہے تھے۔ اور لوگ محسوس کرتے تھے کہ اگر مسلمان ہو کر بھی جزیہ ادا کرنا ہے تو پھر مذہب کیوں بدلا جائے! حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز نے اس ظالمانہ دستور کو بند کر دیا، اور ایک عام حکم جاری کر دیا کہ جو شخص اسلام قبول کرلے، اس سے جزیہ وصول نہ کیا جائے اس حکم پر صرف مصر میں اتنے آدمی مسلمان ہوئے کہ بیت المال کی آمدنی بہت کم ہو گئی۔ حیان بن شریح حاکم مصر نے حضرت عمرؒ کو لکھا کہ آپ کے حکم کی وجہ سے اس کثرت سے لوگ مسلمان ہو گئے ہیں کہ خزانے کی آمدنی گھٹ گئی ہے اور مجھے قرض لے کر ضروری اخراجات پورے کرنے پڑے ہیں؛

حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز نے اس کے جواب میں لکھا کہ:

"جزیہ تو ہر حال میں موقوف رکھو، کسی مسلمان پر مت لگاؤ اور یاد رکھو کہ محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم ہادی بنا کر بھیجے گئے تھے وہ محصول وصول کرنے نہیں آئے تھے"

قدیم ترین دستاویز

حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز کے عدل اور اصلاحی پروگرام نے بنو امیہ کو بالکل ہی تہی دست کر دیا اور ان میں شدید برہمی اور ناراضگی کے جذبات پیدا ہو گئے۔ چنانچہ آلِ مروان نے ہشام بن عبدالملک کو اپنا نمائندہ بنا کر عمرؒ بن عبدالعزیز سے گفتگو کرنے کے لئے بھیجا۔ ہشام نے جا کر حضرت عمرؒ سے کہا کہ جن معاملات کا تعلق آپ کے زمانے سے ہے اور جو واقعات آپ کے دور میں پیش آئیں اُن میں آپ جو چاہیں کریں لیکن جو گزشتہ خلفا کر گئے ہیں اس میں تبدیلی مت کیجیے۔ ان کا ثواب یا وبال ان پر ہو گا!

حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز نے جواب میں فرمایا کہ "اگر ایک ہی معاملے میں تمہارے پاس دو دستاویزیں ہوں، ایک امیر معاویہؓ کی اور دوسری عبدالملک بن مروان کی تو تم ان میں سے کس پر عمل کرو گے؟"

ہشام نے کہا کہ میں اس صورت میں امیر معاویہؓ کی دستاویز کو ترجیح دوں گا کیونکہ وہ قدیم ہے اور امیر معاویہؓ کا مقام عبدالملک

سے بہت اونچا ہے۔"

اس پر عمرؒ بن عبد العزیز نے فرمایا کہ "پھر میں نے اللہ کی کتاب کو سب سے قدیم دستاویز پایا ہے۔ اس لئے میں ہر معاملے میں چاہے میرے زمانے کا ہو یا پہلے کا، اسی قدیم ترین دستاویز پر عمل کروں گا۔"

بنی اُمیہ اس پر جھلا اُٹھے۔ اس موقعے پر سعید بن خالد بن یزید بولا۔ "اے امیر المومنین! جو چیز آپ سے تعلق رکھتی ہو، اس میں آپ بلاشبہ حق و انصاف کے مطابق فیصلہ کیجئے، لیکن گذشتہ خلفاء کے فیصلوں کو ان کی حالت پر رہنے دیجئے۔ کیونکہ ان کی اچھائی یا برائی کے وہ ذِمّہ دار ہیں۔ آپ سے اُن کے متعلق سوال نہ ہوگا۔"

حضرت عمرؒ بن عبد العزیز نے فرمایا۔ میں تم سے خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ اگر ایک شخص چھوٹے بڑے لڑکوں کو چھوڑ کر مر جائے اور بڑے لڑکے تشدد اور ظلم و ستم سے چھوٹوں کو دبالیں اور سارے مال پر قبضہ کر کے کھا جائیں۔ پھر چھوٹے لڑکے تم سے مدد کے طالب ہوں تو تم کیا کرو گے؟"

سعید نے کہا کہ "میں اُن چھوٹوں کی مدد کروں گا اور ان کے حقوق واپس دلاؤں گا۔"

حضرت عمرؒ نے فرمایا کہ "میں بھی تو یہی کام کر رہا ہوں۔

مجھ سے پہلے خلفاء اور ان کے خاندان والوں اور امیروں وزیروں نے کمزور رعایا کے حقوق دبا لئے تھے۔ اب جب میں خلیفہ ہوا تو وہ کمزور لوگ میرے پاس فریاد لے کر آئے۔ ایسی حالت میں میرے لئے اس کے سوا چارہ ہی کیا ہے کہ طاقتور سے کمزور کا اور ظالم سے مظلوم کا حق واپس دلاؤں۔"



حق اور عدل و انصاف کی طاقت

اسلامی قانون میں شُبہ یا بدگمانی کی بنا پر کسی کو سزا نہیں دی جا سکتی۔ خلافتِ راشدہ کے بعد ذرا ذرا سی بدگمانی اور شُبہ کی بنا پر سزا دینا عام ہو گیا تھا۔ اور اس سزا کا نشانہ عام طور پر سیاسی مخالفین کو بنایا جاتا تھا۔ جس نے ذرا مخالفت کی یا جس سے سیاسی اختلاف یا اس کا شبہ ہُوا کسی نہ کسی بہانے سے اسے دھر لیا جاتا اور کوڑوں یا قتل کی سزا جو صرف خاص خاص شرعی حدود یا قصاص میں دی جا سکتی تھی اسے معمولی جرائم یا شبہات کی بنا پر بیدریغ استعمال کیا جاتا تھا۔

حضرت عمرؒ بن عبد العزیز نے یہ سب ظالمانہ طریقے بالکل بند کر دیئے۔ موصل کے علاقے میں چوری اور نقب زنی کی وارداتیں کثرت سے ہوتی تھیں۔ وہاں کے حاکم غسانی نے دربارِ خلافت میں لکھا کہ "جب تک لوگوں کو شبہ میں نہ پکڑا جائے گا اور عبرتناک سزائیں نہ دی جائیں گی اس وقت تک یہ وارداتیں بند نہیں ہو

سکتیں"۔

حضرت عمرؒ نے جواب میں لکھا "صرف شرعی ثبوت پر گرفت کرو اور سزا دو۔ اگر حق ان لوگوں کی اصلاح نہیں کر سکتا تو بیشک ان لوگوں کی اصلاح نہ ہو"

اسی طرح جراح بن عبداللہ حاکم خراسان نے لکھا کہ "یہاں کے لوگوں کی روش نہایت خراب ہے۔ ان کو کوڑے اور تلوار کے سوا کوئی چیز درست نہیں کر سکتی۔ اگر آنجناب مناسب سمجھیں تو ان سزاؤں کی اجازت دیدیں"

آپ نے جواب میں لکھا "تمہارا یہ کہنا کہ اہل خراسان کو کوڑے اور تلوار کے سوا کوئی اور چیز درست نہیں کر سکتی، بالکل غلط ہے ان کو عدل اور حق درست کر سکتا ہے۔ جہاں تک ہو سکے اسی کو عام کرو!"



مردِ مومن کی اولاد کے لئے وصیّت

حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز نے اپنی ساری موروثی جاگیر اور گھر کا ایک ایک تنکا بیت المال میں واپس کر دیا تھا اور آپ کی وفات کے وقت اولاد کی معاش کا کوئی سامان باقی نہ رہ گیا تھا۔ وفات سے کچھ دیر پہلے آپ کے مسلمہ بن عبدالمالک نے عرض کیا:

"امیرالمومنین! آپ نے مال و دولت سے اپنی اولاد کا منہ ہمیشہ خشک رکھا اور انہیں اب خالی ہاتھ چھوڑے جاتے ہیں۔ ان کے متعلق مجھے یا خاندان کے کسی اور شخص کو کچھ وصیت فرما جائیے۔"

یہ سُن کر آپ نے فرمایا "تم کہتے ہو میں نے مال و دولت سے اولاد کا منہ خشک رکھا، خدا کی قسم! میں نے اُن کا کوئی حق نہیں مارا، البتہ جس مال میں ان کا کوئی حق نہ تھا، وہ انہیں نہیں دیا۔ تم کہتے ہو کہ میں اُن کے متعلق کسی کو وصیت کر تا جاؤں، سو اس معاملہ میں میرا وصی اور ولی خدا تعالیٰ ہے، جو نیکو کاروں کا دوست ہے۔ میرے بچے اگر خدا سے ڈریں گے تو وہ ان کے لئے کوئی نہ کوئی راہ نکال دے گا۔ اور اگر وہ گناہ میں مبتلا ہوں گے تو میں ان کے لئے مال چھوڑ کر انہیں

گناہ پر دلیر اور طاقتور بناؤں گا۔"

اس کے بعد انہوں نے اپنی اولاد کو اپنے سامنے بلایا اور آنکھوں میں آنسو بھر کر فرمایا :

میری جان تم پر قربان جنہیں میں خالی ہاتھ چھوڑے جارہا ہوں۔ لیکن خدا کا شکر ہے کہ میں نے تمہیں ایسی حالت میں چھوڑا ہے کہ کسی مسلمان یا ذمّی کا تم پر کوئی حق نہیں ہے جس کے لئے وہ تم سے مطالبہ کر سکے۔ میرے بچو! تمہارے باپ کے اختیار میں دو باتوں میں سے ایک بات تھی۔ پہلی بات یہ کہ تم خوب دولتمند ہو جاؤ اور باپ دوزخ میں جائے۔ دوسری بات یہ کہ تم خالی ہاتھ رہ جاؤ اور تمہارا باپ جنّت میں جائے۔ پیارے بچو! تمہارے باپ نے دوسری بات پسند کی ہے۔ تمہارا خدا حافظ ہے۔ وہی تم کو اپنی حفاظت اور امان میں رکھے گا!"



عدل کے قلعے اور انصاف کے راستے

حضرت عمر رضؓ فاروق کی پوتی جناب عمرؒ بن عبدالعزیز کی والدہ تھیں۔ حضرت عمر رضؓ فاروق نے ان کے حق میں کچھ پیشین گوئیاں بھی کی تھیں۔ چنانچہ ابنِ سعد کہتے ہیں کہ فاروقِ اعظم کہا کرتے تھے "کاش میں اپنے زخمی چہرے والے بیٹے کا زمانہ پاتا جو دنیا کو عدل و انصاف سے اس طرح بھر دے گا جس طرح وہ اس وقت ظلم و جور سے بھری ہوئی ہوگی۔

زخمی چہرے والے بیٹے سے مرعمرؒ بن عبدالعزیز ہیں جن کے ماتھے پر بچپن میں گھوڑے نے لات ماردی تھی۔ اُن کے وا[لد] عبدالعزیز اُن کے چہرے سے خون پونچھتے جاتے۔ اور کہتے جاتے: "اگر تو وہی زخمی چہرے والا (شجؔ) ہے تو یقینا سعادتمند ہے"

زمانہ خلافت میں کسی گورنر نے عمرؒ بن عبدالعزیز کی خدمت میں لکھا کہ: "ہمارے علاقے کے قلعے اور راستے مرمت کے قا[بل]

ہیں۔ بیت المال سے ان کی مرمت اور درستی کی اجازت عطا کی جائے!"

حضرت عمرؓ بن عبدالعزیزؒ نے اس گورنر کو جواب میں تحریر فرمایا: "تمہارے خط کے مضمون سے آگاہی ہوئی۔ اینٹ پتھر اور مٹی کی درستی تو بعد میں بھی ہوتی رہے گی لیکن تم میرا یہ خط پڑھتے ہی اپنے علاقے میں عدل و انصاف کے قلعے استوار کر لو اور اُن کے راستوں کو ظلم و جور سے پاک کر کے سیدھا اور ہموار کر لو۔ کیونکہ امن و امان اور رعایا کی خوشحالی کا دارو مدار اسی پر ہے!"

کسی شخص نے امام محمدؒ بن علیؓ بن الحسینؓ ـــــ یعنی امام محمدؒ باقر ـــــ سے جناب عمرؒ بن عبدالعزیزؒ کی نسبت ان کی رائے دریافت کی۔ تو اُنہوں نے فرمایا: "عمرؒ بن عبدالعزیزؒ بنو اُمیّہ کے نجیب (شریف، سردار) ہیں، اور قیامت کے دن ایک پوری اُمّت کی حیثیت سے اٹھائے جائیں گے!"



بسم اللہ! تشریف لائیے

بنواُمیّہ نے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ سے گلوخلاصی کرانے کے لئے اُن کے ایک خادم کو سازش میں شریک کیا اور ایک ہزار دینار دے کر اُسے آپ کو زہر دینے پر آمادہ کرلیا۔ جب وہ اپنا کام کر چکا تو آپ کو اس سازش کا علم ہوگیا۔ آپ نے اس غلام سے وہ ہزار دینار منگواکر بیت المال میں جمع کرا دیئے اور اُسے حکم دیا کہ "بھاگ جاؤ، کوئی تمہیں دیکھ نہ پائے۔ جو ہونا تھا وہ ہوچکا۔ اب میری وجہ سے تم موت کے منہ میں نہ چلے جاؤ۔"

جب آپ کا آخری وقت آپہنچا اور نزع کی کیفیت شروع ہونے لگی تو آپ نے سب لوگوں سے فرمایا: مجھے تنہا چھوڑ دو!

سب لوگ چلے گئے۔ آپ کی بیوی فاطمہؒ اور اس کا بھائی مسلمہ بن عبدالملک دروازے کے قریب کھڑے رہے انہوں نے سُنا کہ آپ فرما رہے ہیں: بِسْمِ اللّٰہ! تشریف لائیے! یہ

صورت نہ آدمیوں جیسی ہے نہ جنّوں جیسی "۔

تھوڑی سی خاموشی کے بعد آپ نے باآواز بلند یہ آیت پڑھی اور پھر ہمیشہ کے لئے خاموش ہو گئے ۔ تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِیْنَ لَا یُرِیْدُوْنَ عُلُوًّا فِی الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا ؕ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِیْنَ ۝

"یہ آخرت کا گھر ہم اُن کے لئے مقرر کرتے ہیں جو زمین میں تکبّر اور فساد نہیں چاہتے اور انجام کار خدا کا خوف رکھنے والوں ہی کے لئے ہے"!

جب کچھ دیر تک آواز نہ آئی تو آپ کی بیوی اور سالا دونوں اندر گئے ۔ دیکھا کہ آپ وفات پا چکے ہیں ۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ط



درویش بادشاہ

محمد بن معبد کا بیان ہے کہ میں شاہِ روم کے پاس گیا تو اُسے نہایت غمگین صورت بنائے زمین پر بیٹھے ہوئے پایا۔ میں نے پوچھا کہ آپ کا کیا حال ہے؟ بادشاہ بولا کہ تمہیں معلوم نہیں کیا ہوا؟ میں نے پوچھا فرمائیے کیا ہوا؟ شاہِ روم نے کہا کہ "مردِ صالح کا انتقال ہو گیا۔ میں نے پوچھا وہ کون؟ بولا امیرالمومنین عمرؓ بن عبدالعزیز تھوڑی دیر چپ رہ کر پھر بولا "اگر عیسیٰ علیہ السلام کے بعد کوئی شخص مُردوں کو زندہ کر سکتا تھا تو وہ عمرؓ بن عبدالعزیز ہی تھے۔ مجھے اس تارک الدنیا راہب کی حالت پر کوئی تعجب نہیں جس نے دنیا کو چھوڑ کر اپنا دروازہ بند کر لیا اور عبادت میں مشغول ہو گیا۔ مجھے تو تعجب اس شخص پر ہے جس کے قدموں کے نیچے دنیا تھی لیکن اس نے اسے پامال کر کے راہبانہ زندگی اختیار کی۔

حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز کی وفات پر صرف مسلم ہی نہیں غیر مسلم بھی روئے، مجاھد کہتے ہیں کہ "میں سفر میں تھا۔ ایک نبطی مجھ سے ملا۔ تعارف کے بعد اس نے مجھ سے پوچھا۔ کیا تم

عمرؒ بن عبدالعزیز کی وفات کے وقت موجود تھے ۔ میں نے کہا کہ ہاں!
وہ یہ سن کر رو پڑا اور ان کے حق میں رحمت خداوندی کی دعائیں
کرنے لگا ۔ میں نے پوچھا ۔ تم ان کے لئے رحمت کی دعا کیوں مانگتے ہو؟
وہ تو تمہارے مذہب پر نہ تھے ۔ اس پر اس نے جواب دیا ۔ میں عمرؒ کو
نہیں روتا ۔ میں تو اس روشنی پر روتا ہوں جو زمین پر تھی اور اب
بجھ چکی ہے ۔

ایک شخص نے عبدالرحمٰن بن قاسم بن محمد بن ابی بکرؓ سے درخواست کی
کہ حضرت! مجھے کوئی نصیحت فرمائیے ۔ وہ بولے ۔ آیا تمہیں وہ نصیحت کروں
جو میں نے خود دیکھی ہے یا وہ جو صرف سُنی ہے ۔ اس نے عرض کیا جو
آپ نے خود دیکھی ہے وہی فرمایئے ۔ عبدالرحمٰنؒ بولے سنو! حضرت عمرؒ بن
عبدالعزیز نے وفات کے وقت گیارہ لڑکے چھوڑے ۔ ان کا کل ترکہ ۱۷ دینار تھا ۔
جسمیں سے پانچ دینار ان کے کفن پر صرف ہوئے ۔ دو دینار سے قبر کے لئے زمین
خریدی گئی اور باقی لڑکوں میں تقسیم ہوا ۔ ہر لڑکے کے حصے میں انیس (۱۹) انیس (۱۹) درہم
(تقریباً پانچ پانچ پاکستانی روپے) آئے ۔ ہشام بن عبدالملک بھی گیارہ لڑکے چھوڑ
کر مرا ۔ جن میں سے ہر ایک کو دس دس لاکھ درہم ملے ۔ لیکن میں نے عمرؒ بن
عبدالعزیز کے ایک لڑکے کو دیکھا کہ اس نے ایکدن میں سَو گھوڑے جہاد
کے لئے خدا کی راہ میں دے ۔ اور ہشام کے ایک لڑکے کو دیکھا جس کو
لوگ صدقہ دے رہے تھے ۔



کلمۂ حق

ہشام بن عبد الملک کے دورِ حکومت میں زیدؓ بن علیؓ بن الحسین کی شہادت کا افسوسناک واقعہ پیش آیا۔ یہ زیدؓ حضرت زین العابدینؒ کے بیٹے تھے۔ افسوس کوفہ کے لوگوں نے اپنی رسم کے مطابق حضرت زید سے غداری کی اور عین لڑائی کے میدان میں ان کی بیعت فسخ کر کے اُنہیں مظلومانہ شہید ہونے کے لئے چھوڑ دیا۔ ہزارہا کوفی اُن کی بیعت میں داخل ہو چکے تھے لیکن جنگ کا وقت آیا تو یہ لوگ زیدؓ سے پوچھنے لگے کہ "ابو بکرؓ و عمرؓ کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟"

اُنہوں نے فرمایا کہ "مَیں نے اپنے خاندان میں سے کسی کو بھی نہیں پایا جو ان دونوں کی تعریف نہ کرتا ہو۔ یہ دونوں حضرات امامِ برحق اور عادل تھے۔"

اہلِ کوفہ کو حضرت زیدؓ کا یہ جواب پسند نہ آیا اور اُن کی

ایک بڑی اکثریت اُس نازک وقت میں اُن کا ساتھ چھوڑ گئی۔ اہلِ کوفہ کے حق میں زیدؒ بن علیؑ کا یہ قول محاورے کی حد تک مشہور ہو چکا ہے: رَفَضْتُمُوْنَا وَاَنْتُمُ الرَّافِضُوْن

"تم نے ہمیں عین وقت پر چھوڑا ہے۔ تم ہی ہو چھوڑ دینے والے۔"

زیدؒ بن علی کو ایک فیصلے کے سلسلے میں ہشام بن عبدالملک کے پاس دمشق جانا پڑا۔ اثنائے گفتگو میں ہشام نے ازراہ طنز اُنہیں کہا "کنیز زادے ہو کر خلافت کی آرزو رکھتے ہو؟"

زیدؒ بن علیؒ نے جواب میں فرمایا: "تم نے کنیز ہونے کی بنا پر میری ماں کا درجہ گھٹایا ہے۔ یہ خالص جہالت کی بات ہے۔ اللہ تعالٰے نے اسماعیل علیہ السلام کو کنیز کے بطن سے پیدا کر کے انہیں فضیلت بخشی۔ حالانکہ ان کے بھائی اسحٰقؑ آزاد عورت کے بطن سے تھے۔ اسمٰعیلؑ کی فضیلت اور بزرگی کا کیا ٹھکانہ ہے کہ سید البشر محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُن کی نسل سے پیدا ہوئے۔ ایسی جاہلانہ باتیں زبان پہ لاتے ہوئے خدا کا خوف کیا کرو۔"

ہشام غصے سے بھنّا گیا اور چیخ کر کہنے لگا "تم جیسا شخص مجھے خوفِ خدا کی تلقین کرتا ہے۔"

زیدؒ بن علیؒ بولے۔ نہ کوئی آدمی اتنا چھوٹا ہے کہ وہ خدا کے خوف سے نہ ڈرا سکے، اور نہ کوئی اتنا بڑا ہے کہ وہ اُس

اس کو نہ سن سکے"!

ہشام نے جس قضیئے کے سلسلے میں زیدؓ بن علیؓ کو دمشق بلوایا
تھا اس کی مزید تحقیقات کے لئے انہیں کوفہ بھجوا دیا اور والیٔ عراق
یوسف ثقفی کو لکھ دیا کہ ان کی کڑی نگرانی رکھے، مبادا اہلِ عراق
ان سے مل کر کوئی سازش کریں۔ اس کے کچھ عرصہ بعد زیدؓ کے
خروج اور شہادت کا واقعہ پیش آیا۔



افسوس تم نے باپ کا علم بیچ ڈالا

تابعی عالم عکرمہؒ حضرت عبداللہ بن عباس کے غلام مشہور تھے۔ آقا نے ان کی تعلیم و تربیت کے لئے اولاد کی طرح جدوجہد کی۔ سفر و حضر میں ساتھ رکھا اور مسلسل چالیس سال تک انہیں اپنے دامنِ شفقت میں رکھا۔

عکرمہؒ تفسیر، حدیث، فقہ اور تاریخ کے علوم و فنون میں امامت کا مقام رکھتے تھے۔ مشہور محدث ابنِ سعد نے انہیں "علم کا سمندر" قرار دیا ہے امام بخاریؒ نے انہیں حجت و سند مانا ہے اور یحیٰی بن معین نے فرمایا ہے کہ جو شخص عکرمہؒ کی شان میں بے اعتباری کا اظہار کرے اس کے مسلم ہونے میں شک ہے۔ لیکن یہ عجیب بات ہے کہ اتنے جلیل القدر عالم و فاضل ہونے کے باوجود وہ حضرت ابن عباسؓ کی وفات کے وقت بھی غلام ہی تھے۔

باپ کی وفات کے بعد علیؒ بن عبداللہؓ بن عباس نے عکرمہ کو چار ہزار دینار میں فروخت کر دیا۔ اس پر عکرمہ نے کہا۔ "افسوس تم نے اپنے باپ کا علم چار ہزار دینار کے عوض بیچ ڈالا۔" علی اس بات سے بہت متاثر ہوئے اور بیع کو فسخ کرالیا۔ پھر راہ خدا میں عکرمہؒ کو آزاد کر دیا۔



شہانِ بے کمر و خسروانِ بے کلاہ

تابعین کی جماعت میں سلیمان بن مہران (اعمش) کا مرتبہ علم تفسیر، حدیث اور فقہ میں بہت بلند مانا گیا ہے۔ وہ علم و عمل کے بادشاہ اور فقر و قناعت کے سلطان تھے۔ امام عبدالوہاب شعرانی لکھتے ہیں: "اعمشؒ کو روٹی تک میسّر نہیں تھی لیکن اس کے باوجود اُن کی مجلس میں اغنیاء و سلاطین سب سے زیادہ فقیر معلوم ہوتے تھے۔"

عیسٰی بن یونس کا بیان ہے کہ "فقر و فاقہ کے باوجود دولتمند اور امراء اعمش کی نگاہ میں سب سے زیادہ حقیر تھے۔"

ایک دفعہ خلیفہ ہشام بن عبدالملک نے اُنہیں لکھا کہ مجھے حضرت عثمانؓ کے فضائل اور حضرت علیؓ کے عیوب لکھ کر بھیج دیجیئے۔ امام اعمش نے قاصد کے سامنے ہی وہ خط ایک بکری کے مُنہ میں دیدیا اور اس نے چبا کر اُسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ پھر قاصد سے فرمایا: "جاؤ ہشام سے کہنا تمہاری تحریر کا یہ جواب ہے۔"

قاصد نے کہا کہ اگر میں تحریری جواب کے بغیر واپس چلا گیا تو قتل کر دیا جاؤں گا۔ اس پر لوگوں نے اعمشؒ سے کہا کہ کچھ نہ کچھ ضرور لکھ دیجئے، ورنہ اس بیچارے کی خیر نہیں۔ اس پر حضرت اعمشؒ نے یہ جواب لکھا:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ط

"اگر حضرت عثمانؓ کی ذات میں تمام دنیا کی خوبیاں جمع ہوں تب بھی اس سے تمہاری ذات کو کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا اور اگر حضرت علیؓ کی ذات میں (خدانا خواستہ) دنیا بھر کی برائیاں جمع ہوں تو ان سے تم کو کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا۔ تمہیں چاہیئے کہ اپنے آپ کی خبر لو"۔



مچھر کا خون اور انسان کا خون

یزید بن ابی حبیب رحمۃ اللہ علیہ کا درجہ مصری علماء حق میں بہت بلند مانا گیا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بن عبدالعزیز نے اُنہیں اپنے زمانۂ خلافت میں مصر کا مفتی مقرر کیا تھا۔ عالم با عمل اور باوقار انسان تھے۔ حق گوئی اور بیباکی میں مشہور تھے۔

اِنہیں سلاطین و امراء سے ملنے کو جانا سخت ناپسند تھا۔ اگر کوئی بُلاتا تو ٹال دیتے، اصرار کرتا تو کہہ دیتے کہ "جو کام تمہیں ہے، آجاؤ! فقیر کا دروازہ کھُلا ہے۔"

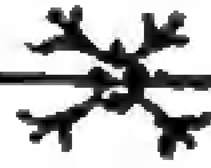
ایک دفعہ آپ بیمار ہوئے۔ عیادت کرنے والوں میں حوثرہ بن سہیل بھی تھا، جو اس وقت مصر کا گورنر تھا۔ اُس نے آپ سے دریافت کیا؟ "اے ابو رجاء! جس کپڑے پر مچھر کا خون لگ جائے، اس کا کیا حکم ہے؟ کیا اس میں نماز ادا ہو سکتی ہے یا نہیں؟"

آپ نے یہ سوال سُن کر منہ پھیر لیا۔ اور کوئی جواب نہ دیا۔

خونریز آپ کے اس طرزِ عمل سے حیران ہوا۔ جب وہ اٹھ کر جانے لگا تو آپ نے اس کی طرف دیکھا اور بڑے رُعب و داب سے فرمایا :

"اے بندۂ خدا! تم روزانہ خلقِ خدا کا ناحق خُون بہاتے ہو لیکن مجھ سے مسئلہ مچھّروں کے خون کا دریافت کرتے ہو؟"

خونریز پر اس سوال سے ایسی ہیبت چھا گئی کہ گردن جھکا کر باہر نکل گیا۔ اور زبان سے کچھ نہ کہا۔



مَردِ حق

مردِ حق از کس نگیرد رنگ و بُو   مردِ حق از حق بگیرد رنگ و بُو
ہر زماں اندر تنش جانے دگر   ہر زماں او را چو حق شانے دگر
در نگاہش قصرِ سلطاں کہنہ دیر   غیرتِ او بر نتابد حکمِ غیر
نوعِ انساں را بشیر و ہم نذیر   ہم سپاہ و ہم سپہ گر، ہم امیر
پختہ سازد فطرتِ ہر خام را   از حرم بیروں کند اصنام را
بندۂ حق بے نیاز از ہر مقام   نے غلام او را نہ اُو کس را غلام
رسم و راہ و دین و آئینش ز حق   زشت و خوب و تلخ و نوشینش ز حق
ما ہنوز اندر ظلامِ کائنات   او شریکِ اہتمامِ کائنات

مردِ حق افسونِ ایں دیرِ کہن
از دو حرفِ ربی الاعلےٰ شکن

(اقبالؒ)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ؕ

یہ تیرے مومن بندے

اِسلامی واقعات کا حسین مرقع

محمد اقبال قادری

شیخ اکیڈمی ۶ بل روڈ ۔ لاہور